یہ کیسا رشتہ ہے

بادِ صبا کی طرح جو چُھو کر گزر گئی
اب بھی اُسی نگاہ کا اِک سلسلہ ہوں میں

صلاح الدین نیّر

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

تاریخ وسن اشاعت : ۲۵ اگست ۱۹۹۰ء

تعداد اشاعت : ۶۰۰

کتابت : غوث محمد (خوشنویس)

قیمت : ۱۶ روپے

طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس
چھتہ بازار۔ حیدرآباد

ٹائیٹل پرنٹنگ : انتخاب پریس
جواہر لعل نہرو روڈ۔ حیدرآباد

ناشر : صلاح الدین نیّر

ترتیب و تزئین : صالحہ الطاف (مدیر خاتونِ دکن)

ملنے کے پتے :
حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد۔۵۰۰۰۰۲
مصنف ۔ ۷/۸۲۴-۳-۱۱ نیو ملّے پلّی حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۰۱ فون ۲۲۸۸۰۲

اِنتساب

اپنی شفیق بہن صالحہ الطاف کے نام
جس نے مجھے میرے شعری سفر میں
رشتوں کی مہک کا احساس دلایا۔

صلاح الدّین نیّر

ترتیب و تزئین

عقیدت کے پھول

سلسلہ پھولوں کا

آئینہ خانہ

اُجالوں کے سفیر



صلاح الدین نیّر

یہ کیسا رشتہ ہے؟

صاحبان فکر و نظر یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک تخلیق کار کو کیسے کیسے انسانی رشتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں، جو ایک انسان کو نہ صرف اپنی قربت کا احساس دلاتے ہیں بلکہ فاصلوں سے بھی روشناس کراتے ہیں ـــ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو زندگی کے خدوخال میں کبھی محبت اور کبھی نفرت کا رنگ بھرتے ہیں ـــ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو زندگی کی بلندیوں اور پستیوں سے واقف کرواتے ہیں۔

اگر انسان کسی نہ کسی رشتے سے وابستہ نہ ہو تو زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہوگا ـــ بعض رشتے اگرچہ بے نام سے ہوتے ہیں لیکن ان کا ہر لمحہ اپنی پہچان کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ میری کتاب یہ کیسا رشتہ ہے؟ میں یہی سب کچھ ہے ـــ

یہ کیسا رشتہ ہے؟ میری زائد از ۲۵ سالہ شاعرانہ زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے ـــ اس مجموعۂ کلام میں میری شاعری کے وہ تمام پہلو شامل ہیں، جو ہر نئے موسم کی تازہ ہوا کی طرح میرے احساسات و جذبات میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ میں نے اس مجموعۂ کلام کا نام "یہ کیسا رشتہ ہے؟" اس لیے بھی رکھا ہے کہ وہ تمام انسانی رشتے جو کاغذی پیراہن اوڑھے

ہوئے ہیں کسی نہ کسی طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ میری زندگی کے شب و روز سے وابستہ ہیں۔

اِن نظموں کو پڑھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ماضی کی کتاب کا ایک ایک ورق اُلٹتا جا رہا ہوں ــــ اِن نظموں کو پڑھتے ہوئے ماضی کی کبھی نہ بھلائی جانے والی لازوال یادوں میں کچھ اِس طرح کھو جاتا ہوں کہ خوشبو کے سفر کے تمام عطر بیز لمحے میری روح کو مہکاتے ہیں۔ میرے احساسات و جذبات میں ایک خوشگوار لہر دوڑ جاتی ہے۔

میری بیشتر نظمیں شخصی اور ذاتی واقعات و واردات سے عبارت ہیں۔ میری شاعری میں میرے ذاتی تجربات اور قلبی واردات کے علاوہ وہ سب کچھ ملے گا جو وقتاً فوقتاً مجھے حالات کی گرمی و نرمی اور معاشرے نے محسوس اور غیر محسوس ردِ عمل دُ دھڑکنوں سے نوازا ہے۔ میں نے اُجالوں اور اندھیروں کے ٹکراؤ کی تصویر کھینچی ہے ــــ زندگی کی مختلف المتنوع کیفیات کو اشعار میں سمویا ہے ــــ روتے اور ہنسنے کی باتیں کی ہیں ــــ دوستوں اور محسنوں کے سامنے میری نظریں احتراماً جھکی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مغرور اور خود پرست انسانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میں نے گفتگو بھی کی ہے۔

اپنے اِس شعری سفر میں کسی بھی مرحلے پر میں نے اپنی شخصیت، اپنی وضع داری اور اپنی شاعرانہ روش کو ٹھیس پہنچنے نہیں دی ــــ میں سماج اور معاشرہ سے ٹکراتا رہا ــــ ٹوٹتا بکھرتا رہا اور اس طرح میری شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہوتی رہی۔ ٹوٹنے اور بننے کا یہ عمل برسوں جاری رہا اور آج بھی اِسی ٹوٹنے اور بننے کے حیات بخش

عمل سے گزرتا رہتا ہوں۔ اِسی طرح میرا سفر جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا میں نے اپنے قدم اپنی زمین پر ہی جمائے رکھے ہیں ـــــ میں ایک حقیقت پسند انسان ہوں، اس لیے خلاؤں میں بھٹکتے رہنے کا قائل نہیں ہوں ـــــ یہی میرا فلسفۂ حیات ہے، یہی مسلکِ زندگی اور یہی میرے فکر و فن کا رویہ بھی۔

میری شاعری کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے یہ مجموعۂ کلام میرے خیالات و جذبات کی مکمل رہنمائی کرے گا ـــــ میری ہر نظم کسی نہ کسی اہم یا غیر اہم واقعہ سے تعلق رکھتی ہے ـــــ کوئی ایک نظم بھی خیالی یا قیاسی نہیں ہے ـــــ میں ایسی ہی شاعری کو قابلِ احترام سمجھتا ہوں جو زندگی کی روشن اور تعمیری اقدار کی ترجمان ہو ـــــ میری شاعری اور میرے نظریۂ فکر و فن میں کلاسیکی قدروں کے ساتھ ساتھ آپ کو ترقی پسند رجحانات اور عصری آگہی کی مثبت علامتیں بھی ملیں گی۔

اِس مجموعۂ کلام کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے ـــــ پہلا حصہ "نذرانۂ عقیدت" دوسرا حصہ "سلسلہ پھولوں کا" تیسرا حصہ "آئینہ خانہ" اور چوتھا حصہ "اُجالوں کے سفیر" کے عنوان کے تحت ہے۔

اِس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے اربابِ مجاز کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مالی تعاون کیا ـــــ عزیزم نور محمد مالک اعجاز پریس کی طرح میرے بہترین دوست ممتاز آرٹسٹ غوث محمد خوشنویس

کا بھی مجھے مکمل تعاون حاصل رہا، میں ان کا بھی ممنون ہوں ــــــ میں اپنی شفیق بہن صالحہ الطاف (مدیرہ خاتونِ دکن) کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے "گلِ تازہ" سے لے کر "سفر جاری ہے" اور "یہ کیسا رشتہ ہے" کی ترتیب و تزئین میں مجھے ضروری مشوروں سے نوازا ــــــ اس کتاب کو میں ان ہی کے نام معنون کر رہا ہوں ــــــ میری دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کا سرورق بھی میری ایک ممتاز آرٹسٹ بہن کا مرہونِ منت ہے ــــــ میں اُن تمام باوقار پُرخلوص اور محبت شناس شخصیتوں کا بھی سپاس گزار ہوں جنھوں نے زندگی کے مختلف مرحلوں پر مجھے متاثر کیا ــــــ میں اپنی زندگی کے اُن مرکزی اور غیر مرکزی کرداروں کو بھی یاد کرتا رہتا ہوں۔ جن کی خوشبو کی مہک میری نظموں کے ایک ایک حرف میں بسی ہوئی ہے ــــــ آخر میں اُن تمام پاکیزہ رشتوں کو سلام کرتا ہوں جن کی دعاؤں کے اثر نے مجھے طوافِ خانۂ کعبہ اور زیارتِ گنبدِ خضرا کی برکتوں اور فیضان سے سرفراز کیا ــــــ

صلاح الدین نیّر

۱۵ اگست ۱۹۹۰ء



مسند پہ بٹھا دیتا ہے احسانِ محمدؐ
کس درجہ بلندی پہ ہے دربانِ محمدؐ

ہر سانس میں رہتا ہے سفر عرشِ بریں کا
کب فرش پہ رہتے ہیں غلامانِ محمدؐ

اس بزم سے اٹھ کر وہ کہاں جائیں گے آخر
لایا ہے جنھیں کھینچ کے ارمانِ محمدؐ

اس واسطے اب تک بھی معطر ہیں فضائیں
خوشبو میں بسا رہتا ہے دامانِ محمدؐ

اس گھر کے غلاموں کی طرح ہم بھی کھڑے ہیں
دامن میں سمیٹے ہوئے فیضانِ محمدؐ

حالات رہیں کچھ بھی بدلتا نہیں موسم
مہکا ہوا رہتا ہے گلستانِ محمدؐ

اس دہر میں اک ایسا بھی وقت آئے گا نیّر
ہر شخص کو ہو جائے گا عرفانِ محمدؐ



●

کب مدینے سے تہی دست پلٹ آیا ہوں
نقشِ پا آپ کے پلکوں پہ اٹھا لایا ہوں

یوں تو جاری تھا مسرت کی فضاؤں میں سفر
آپ کے در سے میں با دیدۂ تر آیا ہوں

آج بھی گنبدِ خضرا پہ نظر ٹھہری ہے
ایسے لمحات کچھ اس شہر سے لے آیا ہوں

لوٹ کر پھر نئے انداز سے جینے کے لیے
آپؐ کی خوشبو کو سانسوں میں بسا لایا ہوں

چوم کے آپؐ کے قدموں کو کئی بار یہاں
زندہ رہنے کے لیے موت سے ٹکرایا ہوں

آج بھر دیجئے پھیلا ہوا دامن میرا
میں اجالوں کے لیے آپؐ کے گھر آیا ہوں

کام آئی مری فردوس نگاہی نسیمؔ!
کملی والے کی محبت میں چلا آیا ہوں

●

ازل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے
میں جانتا ہوں کہاں مجھ کو سر جھکانا ہے

اسی لیے تو میں پڑھتا ہوں سیرتِ نبویؐ
معاشرے میں مجھے انقلاب لانا ہے

ہمیشہ رہتا ہوں میں بوریا نشینوں میں
اسی لیے تو نظر میری خسروانہ ہے

بسا ہے اِس لیے آنکھوں میں گنبدِ خضرا
مذاقِ خوش نظری میرا والہانہ ہے

سہارے یوں تو ہیں دنیا میں بے شمار مگر
مجھے تو آپ کے دامن میں منہ چھپانا ہے

نبیؐ کے در سے میں جاؤں گا اب کہاں نیّر
یہی ہے منزلِ آخر یہی ٹھکانا ہے

●

ایسا بھی وقت آئے اک بار زندگی میں
میں ساری عمر کاٹوں طیبہ کی روشنی میں

اِس در کی روشنی کو انساں سمجھ نہ پایا
برسوں گزر گئے ہیں تفہیم آگہی میں

کب تک نہ جانے ہم بھی تاریکیوں میں رہتے
نسبت کا سلسلہ ہی لایا ہے روشنی میں

جس وقت بڑھ رہی تھی بے تابی میرے دل کی
اُس وقت آ گیا ہوں مولیٰ تری گلی میں

کچھ سوچ کر ہی اچھا اس در پہ رُک گیا ہوں
سمجھو نہ آ گیا ہوں میں بھی روا روی میں

اونچی اُڑان بن کر جیتا رہوں گا نیّرؔ!
ہرگز نہیں جیوں گا احساسِ کمتری میں

●

●

جب نظر گرمیٔ حالات سے گھبراتی ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی سی مدینے کی ہوا آتی ہے

جشنِ میلاد ہے، خوشبوئے رسولِ عربیؐ
فرش کا ذکر ہی کیا عرش کو مہکاتی ہے

جب بھی رُک جاتا ہے بھیگی ہوئی پلکوں کا سفر
چشمِ نم آپؐ کے دامن سے لپٹ جاتی ہے

نور کی پہلی کرن دیتی ہے دل پر دستک
آپ کے در سے صبا جب بھی چلی آتی ہے

جب نظر آتا ہے طیبہ کا سہانا منظر
زندگی تازہ اُجالوں سے سنور جاتی ہے

فاصلے ہوتے ہیں طے کون و مکاں کے نیرؔ!
جب نظر گنبدِ خضرا پہ ٹھہر جاتی ہے

●



وہ سر زمینِ پاک ابھی تک نظر میں ہے
کیسا کرشمہ نسبتِ خیر البشر میں ہے

شرمندگی سے سر کو جھکائے کھڑا ہوں میں
عصیاں کا سب حساب مری چشمِ تر میں ہے

کرتا ہوں اس لیے میں اُجالوں سے گفتگو
نورِ رسولِ پاکؐ، نگاہِ سحر میں ہے

بے دست و پا کبھی نہیں ہوتے ہیں ایسے لوگ
وسعت شعور و فکر کی جن کی نظر میں ہے

خوشبو کا ایک جھونکا مدینے کی سمت کا
رحمت نواز بن کے مسلسل سفر میں ہے

نیّر! میں صبح و شام کی الجھن میں کیوں رہوں
جب نظمِ دو جہاں مرے آقا کے گھر میں ہے



●

نظر میں نور ہے چہرے پہ اک اُجالا ہے
یہ کون طیبہ کی گلیوں سے ہو کے آیا ہے

یہ سوچ میں ہوں کہاں پہلے سر جھکاؤں میں
اِدھر ہے خانۂ کعبہ اُدھر مدینہ ہے

مدینہ جا کے اِن آنکھوں نے ایسا کیا دیکھا
ہمیشہ آپ کا روضہ نظر میں رہتا ہے

ہر ایک حرف معطر ہے معجزے کی طرح
حدیثِ مصطفویؐ، عرش کا خلاصہ ہے

نگاہیں گنبدِ خضرا پہ جم گئیں جس کی
وہ شخص واقعی کتنا نصیب والا ہے

نبیؐ کے نورِ مسلسل کا فیض ہے نیّرؔ!
ازل سے میری طبیعت میں جو اُجالا ہے

●

خم ہوا ہے سر مرا اُس آستانے کے لیے
عمر ساری کٹ گئی ہے جس کو پانے کے لیے

اُس زمینِ پاک کے اب تک بھی میں سائے میں ہوں
وقف ہے میری غلامی جس گھرانے کے لیے

دیدۂ پُرنم لیے میں پھر رہا ہوں صبح و شام
کوئی دامن تو ملے آنسو بہانے کے لیے

وقت آئے گا تو سر کے بل چلا آؤں گا میں
پہلے قابل تو بنوں اُس در پہ جانے کے لیے

آپ ہی کے نام کے دو چار آنسو کے سوا
کیا ہے میرے پاس پلکوں پر سجانے کے لیے

نیّرؔ! ایسی بزم سے اُٹھ کر میں جاؤں گا کہاں
اس سے بہتر در نہیں ہے سر جھکانے کے لیے

زندگی جب کبھی حالات سے ٹکراتی ہے
روشنی آپ کی ہر سمت نظر آتی ہے

فاصلے صدیوں کے لمحوں میں سمٹ جاتے ہیں
جب نظر گنبدِ خضرا پہ ٹھہر جاتی ہے

جب بھی احساسِ تہی دامنی ہوتا ہے مجھے
زندگی، کاسہ بہ کف آپ کے گھر جاتی ہے

اک ذرا آپ کے نعلین کو چھو لینے سے
آسمانوں کی بلندی پہ نظر جاتی ہے

جب بھی حالات کی بے رحمی سے گھبراتا ہوں
چشمِ نم آپ کے دامن سے لپٹ جاتی ہے

اک مہک آتی ہے پاپوشِ نبی سے نیّر!
زندگی جب بھی نئے خانوں میں بٹ جاتی ہے

لِلّٰہ! کرم کیجیے، بہت ٹوٹ چکا ہوں
پھر آج میں حالات کی چوکھٹ پہ کھڑا ہوں

آنکھوں میں لیے حسرتِ دیدارِ محمدؐ
میں کب سے مدینہ کی طرف دیکھ رہا ہوں

نظروں کو جھکائے ہوئے آداب سے ملیے
میں آلِ پیمبرؐ کے گھرانے کا گدا ہوں

ہیں نقشِ قدم کس کے یہ پہچان لو مجھ کو
یہ کچھ دن کے لیے میں بھی فقیروں میں رہا ہوں

آنکھوں میں ندامت ہے نظر اٹھ نہیں سکتی
میں سر کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑا ہوں

بہت سے نام ہیں آدابِ زندگی کے لیے
ہے ایک نام مگر دل کی روشنی کے لیے

یہ بزمِ نور ہے کر لیجیے اعترافِ گناہ
تمام عمر کی شائستہ زندگی کے لیے

اندھیرے آتے ہیں آنے بھی دیجیے لیکن
نبیؐ کا نام ہی کافی ہے روشنی کے لیے

رسولِ پاکؐ کی سیرت کا ایک اک لمحہ
کھلی کتاب ہے تفسیرِ آگہی کے لیے

یہ واقعہ ہے کہ نسبت بڑا سہارا ہے
ہجومِ غم میں گنہ گار آدمی کے لیے

کچھ ایسے اہلِ بصیرت بھی ہم کو ملتے ہیں
جو خود سلگتے ہیں اور دل کی روشنی کے لیے

چراغ یوں تو بہت سے بجھے مگر نیّر!
چراغِ دل ابھی روشن ہے زندگی کے لیے



غلامِ مصطفیٰ ﷺ جب بھی لبِ اظہار ہو جائے
ہر اک ذرّہ یہاں کا مائلِ گفتار ہو جائے

محبت در بہ در ہوگی نہ شرمندہ وفا ہوگی
مدینے کی اگر گلیوں سے ہم کو پیار ہو جائے

زلیخائی نظر یوسف کو لے آئیں کہاں سے ہم
اگر یہ ساری دنیا مصر کا بازار ہو جائے

رسولِ پاک ﷺ جن راہوں سے گزرے مجھ سا دیوانہ
اگر کانٹوں کو چُن لے، صاحبِ گلزار ہو جائے

لگا کر آس بیٹھے ہیں مدینے کی طرف کب سے
نگاہِ لطف ہم پر بھی کبھی سرکار ہو جائے

ہمیشہ میں کھلی رکھوں گا حسرت! اپنی آنکھوں کو
رسولِ پاک کا مجھ کو اگر دیدار ہو جائے



●

نقشِ پا آپ ﷺ کے پہچان لیا کرتے ہیں
وہ اُجالے مری آنکھوں میں رہا کرتے ہیں

ہر نفس گنبدِ خضرا پہ نظر رہتی ہے
اہلِ دل کتنے سلیقے سے جیا کرتے ہیں

اپنی بربادی کا جس وقت بھی آتا ہے خیال
اِک نظر آپ کو ہم دیکھ لیا کرتے ہیں

کتنا اعزاز غلامی میں ہے اُن سے پوچھو
جو محمد ﷺ کی نگاہوں میں رہا کرتے ہیں

بے سبب کب ہیں اندھیروں کی رِدائیں روشن
شبِ معراج، کئی دل بھی جلا کرتے ہیں

ایسے دیوانوں میں، میں خود بھی ہوں شامل نیّر
میرے آقا کے جو قدموں میں رہا کرتے ہیں

●

●

کرم، نبیؐ کا بہت یہ کچھ ہے چشمِ تر کے لیے
بہت ہے خاکِ مدینہ مری نظر کے لیے

نظر میں گنبدِ خضرا ہے دل میں یادِ رسولؐ
یہی ہے زادِ سفر، آخری سفر کے لیے

بہت زیادہ نہیں تھوڑی سی جگہ دیجے
رہوں گا آپؐ کے قدموں میں عمر بھر کے لیے

نبیؐ کی یاد کے دل میں چراغ روشن ہیں
یہ روشنی ہی بہت ہے ہمارے گھر کے لیے

تمام عمر میں لپٹا رہوں گا دامن سے
یہ آرزو ہے بڑی، عمرِ مختصر کے لیے

اُجالے رات کے دامن میں پھیل جائیں گے
نبیؐ کا نام تو لیجے نئی سحر کے لیے

شمار اپنا بھی نیّر ہے کج کُلاہوں میں
ملی ہے ہم کو بھی دستار اپنے سر کے لیے

●



ملا رہا ہوں نظر دیدہ ورز ملنے سے
اٹھا ہوں جب سے محمد ﷺ کے آستانے سے

پہنچ گئی ہے نظر، عرش کی بلندی پر
رسولِ پاک ﷺ کے قدموں پہ سر جھکانے سے

نبی ﷺ کے عشق میں تر دامنی ملی لیکن
میں آئینہ تو بنا دل کے ٹوٹ جانے سے

بسا ہوا ہے نگاہوں میں گنبدِ خضرا
نظر میں نورِ مدینہ سمیٹ لانے سے

سوال کرنے سے پہلے ہی بھر گیا کشکول
ملا ہے اتنا قلندر کو آستانے سے

میں خاکِ پائے نبی ﷺ بن گیا ہوں اے نیّر!
لگی ہے اب مری مٹی کہیں ٹھکانے سے





طے نہ ہو یہ دید کا لمبا سفر یا مصطفیٰؐ
گنبدِ خضرا پہ ٹھہری ہے نظر یا مصطفیٰؐ

مرکزِ دل ہے مرا، اوّل بھی آخر بھی یہی
اٹھ کے میں جاؤں یہاں سے کس کے گھر یا مصطفیٰؐ

فرش سے عرشِ بریں تک فاصلہ کچھ بھی سہی
آپؐ کو پاتا ہوں تا حدِ نظر یا مصطفیٰؐ

اب کہیں جا کر ہوئی ہے اس قدر وہ مطمئن
آپؐ کے دامن میں میری چشمِ تر یا مصطفیٰؐ

آپؐ سے پہلے ہی آ جاتی ہے خوشبو آپؐ کی
آپؐ کی آمد کی ہے دل کو خبر یا مصطفیٰؐ

جانتا ہوں میں بھی نیّر حسرتِ دیدار میں
کیسے کیسے ہو گئے ہیں دیدہ ور یا مصطفیٰؐ



•

قلندر ہوں میں، کس سے کیا مانگتا ہوں
بس اک نور کا سلسلہ مانگتا ہوں

فقیر دل کا دل ہو نظر خانقاہی
میں جینے کی ایسی ادا مانگتا ہوں

عقیدت سے قدموں پہ سر کو جھکانا
اگر جرم ہے تو سزا مانگتا ہوں

فقیروں کی چوکھٹ پہ کیا کچھ نہیں ہے
میں مسند نہیں، بوریا مانگتا ہوں

گلوں کی طرح سے مہکنے کی خاطر
میں خوشبوئے زلفِ صبا مانگتا ہوں

کوئی جس جگہ سے نہ گزرا ہو نشترؔ!
میں ایسا نیا راستہ مانگتا ہوں

•

●

نمی آنکھوں میں حرفِ مدّعا ہوں
رسولِ پاک ﷺ کے در پر کھڑا ہوں

جہاں شاہوں کے سر خم ہو گئے ہیں
اُسی گھر کا میں ادنیٰ سا گدا ہوں

مرا دامن کبھی ہو گا نہ خالی
میں رحمت پر بھروسہ کر رہا ہوں

یہ سب احسان ہے تر دامنی کا
میں کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہوں

فقیروں کا پڑا ہے مجھ پہ سایہ
میں اب تک روشنی کا سلسلہ ہوں

کہاں لے جاؤں سیتاؔ اپنے آنسو
میں خود اپنے گناہوں کی سزا ہوں

●

●

من نہ دارم جرأتِ اظہارِ شانِ فاطمہؓ
ہست تفسیرِ دو عالم، داستانِ فاطمہؓ

گرچہ ہر یک گام پیدا مشکلِ رختِ سفر
می رود با شان و شوکت کاروانِ فاطمہؓ

ہست خوشبوئے سولاہ در جسم و جانِ من غریب
کیف می یابد حیات، از گلستانِ فاطمہؓ

چشمِ پُرنم سرخرو، در بارگاہِ سیدہؓ
سینہ روشن داشتم من از نشانِ فاطمہؓ

نور افشاں روضۂ زہرا است اندر دو جہاں
قلبِ ما روشن شود از آستانِ فاطمہؓ

جلوہ فرما گشت بر دوشِ نبی شہزادگان
نورِ چشمِ مرتضیٰؓ حسنینؓ جانِ فاطمہؓ

نسبتِ دیرینہ نیر داشتم از مرتضیٰؓ
خوش نصیبم آمدم بر آستانِ فاطمہؓ

●●

یہ کیسا رشتہ ہے؟

یہ کیسا رشتہ ہے؟
یہ کیسی تازہ خوشبو ہے؟
مہک ہے جس کی فضاؤں میں فصلِ گُل کی طرح
خدا ہی جانے کہ اس روشنی کی حد ہے کہاں
بلا تعین اوقات گوشۂ دل میں
شگفتہ، اَن کہی باتوں کا سلسلہ سا ہے

یہ کیسی راہ ہے برسوں سے چل رہے ہیں لوگ
کہاں پہ جا کے رکیں گے انھیں خبر بھی نہیں
نہ جانے کونسی خوشبو کا تازہ جھونکا ہے
نہ جانے نام ہے کیا اُس لطیف جذبے کا
کہ جس کی خوشبو سے ہر لمحہ اب مہکتا ہے

نہ جانے نام ہے کیا اُس لطیف رشتے کا
کہ جس کے پانے کو اک عمر بھی مری کم ہے
کہ جس کی دید کو آنکھوں میں روشنی کم ہے

یہ سچ ہے اُس سے بہ ظاہر تو کوئی رشتہ نہیں
نہ جانے کیوں مرا دل مجھ سے کہہ رہا ہے یہی
یہ سیدھی سادی سی لڑکی جو مجھ سے ملتی ہے
یہ غیر کب ہے یہ ہے اپنے ہی قبیلے کی

یہ لڑکی وہ ہے جو انجان سے دورا ہے پر
کھڑی ہوئی ہے کسی تازہ روشنی کے لیے
کھڑی ہوئی ہے کسی تازہ زندگی کے لیے

یہ لڑکی فاطمہ، مریم کی آبرو ہی نہیں
یہ لڑکی عظمتِ سیتا کا سلسلہ بھی ہے

یہ لڑکی جب کسی چوکھٹ پہ جل کے ٹھہرے گی

تمام برکتیں میکے کی ساتھ لائے گی
یہ جیسے کسی کے بھی آنگن میں پاؤں رکھے گی
وہاں کی مٹی سے اک تازہ خوشبو آئے گی
تمام عمر کی تابندہ زندگی کے لیے
تمام عمر نئے گھر کی روشنی کے لیے

نہ جانے کیوں مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
کہ جیسے قرض چکانا ہے عمر بھر کا مجھے
نہ جانے کیوں مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
کہ جیسے کھوئی ہوئی شے کو پا گیا ہوں میں
نہ جانے کیوں مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
وہ لڑکی جو کبھی آتی ہے مجھ سے ملنے کو
بہ ظاہر اس سے مرا کوئی بھی تو رشتہ نہیں
مگر وہ کیوں مرے احساس پہ ہے چھائی ہوئی
وہ اجنبی ہی اگر ہے تو اس کے ہونٹوں سے
مہکتی کیوں ہے مری ماں کے دودھ کی خوشبو
کبھی کبھی مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے

کہیں وہ میری ہی بچھڑی ہوئی بہن تو نہیں
کبھی کبھی مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
کہ جیسے کھوئی ہوئی شے کو پا گیا ہوں میں

یہ کیسا رشتہ ہے؟
یہ کیسی تازہ خوشبو ہے؟



کھڑا ہوں اب میں جہاں کھڑکی پہ سائبان بھی تھا
اسی محلّے میں میرا کبھی مکان بھی تھا

وہ فرشِ گُل سے بھی ہٹ کر کبھی چلا ہو گا
کہ اس کے پاؤں میں اِک زخم کا نشان بھی تھا

اوراقِ زندگی

یہ بھول جاتا ہوں میں آج بھی اکیلا ہوں

اُداس رات کی تنہائیوں میں گم ہو کر
میں اپنے ماضی کے اوراق جب اُلٹتا ہوں
ہر اک ورق پہ تمہارا ہی نام ملتا ہے
تمہارے ساتھ گزارے تھے جو حسیں لمحے
بشکلِ اشک دیئے بن کے جگمگاتے ہیں
کوئی بھی رُت ہو وہ لمحات یاد آتے ہیں



تمہیں بھی یاد ہی ہو گا مجھے ہے یاد ابھی
کبھی کبھی ہی ملاقات تم سے ہوتی تھی
تم اِتنی پاس نہ تھیں پھر بھی ایسا لگتا تھا
قریب رہتی ہو تم دل کی دھڑکنوں کی طرح
وہ کاپیاں وہ کتابیں جو میں نے دی تھیں کبھی

تمہارے ہاتھوں میں اکثر دکھائی دیتی تھیں
جو بات کہہ نہ سکا میں وہ تم سے کہتی تھیں



تمہارے پاس نہ وہ کا پیاں، کتابیں رہیں
بہ جبرِ دل مجھے لوٹا دیئے تھے تم نے مگر
ورق ورق پہ فروزاں تھے انگلیوں کے نشاں
ہر ایک نقطہ چمکتا تھا مثلِ کاہکشاں



خطوط پیار کے تم نے جو مجھ کو لکھے تھے
کئی برس وہ رہے دفن میرے سینے میں
وفا پرستوں کی رسوائیوں سے گھبرا کر
چھپائے رکھا انھیں دل میں روشنی کی طرح



تمہاری یاد کی اک دن جو آگ تیز ہوئی
خطوط پیار کے پڑھتا گیا، جلاتا گیا
مگر وفا کا دیا اس طرح بھی بجھ نہ سکا
چراغِ آرزو سینے میں پھر بھی جلتا رہا

کچھ اور سال بنامِ وفا گزرنے لگے
زمانہ اپنی روایت کبھی بدل نہ سکا
کہ زندگانی کے نازک سے موڑ پر، ہم تم
کھڑے رہے مگر اک پل میں ہم بچھڑ بھی گئے
گلہ نہیں کہ مقدّر نے ساتھ چھوڑ دیا
"نئی حیات" سے تم نے بھی رشتہ جوڑ لیا



یہ کچھ اور سال بنامِ وفا گزرتے گئے
وفا کی بزم میں تم مجھ سے مل گئیں اک دن
کسی کی یاد مگر دل کے ساتھ ساتھ رہی
وہ ایک لڑکی جو ہے زندگی کا آئینہ
وہ ایک لڑکی جو ہے روشنی مقدر کی
نئی حیات کا تحفہ تمہارا اپنا لہو
وہ مجھ سے روز ہی ملتی ہے اور کہتی ہے
اُداس چہرے پہ اتنی کہ اب بھی جانے کیوں
تمہارے چہرے کے تازہ نقوش ملتے ہیں
جب اُن کی پیاسی نگاہوں میں جھانکتی ہوں میں

تو اُن کی آنکھوں میں رہتی ہے ایک ہی تصویر



وہ لڑکی جب کبھی آتی ہے مجھ سے ملنے کو
میں اپنے پاس بڑے پیار سے بٹھاتا ہوں
وہ اپنے نرم ملائم لبوں کی جنبش سے
تمہارے حُسن کا سو طرح ذکر کرتی ہے
پھر اُس کی آنکھوں میں، میں تم کو دیکھ لیتا ہوں
یہ بھول جاتا ہوں میں آج بھی اکیلا ہوں



اب کے برس جب آئیں تو اِس طرح آیئے
میری زمیں پہ اپنا بھی اِک گھر بنایئے

شہر کو چھوڑ کے ہی تم کو اگر جانا تھا
میری آنکھوں میں نہ اِس طرح اُتر جانا تھا

خوشبو

یہ اتفاق بھی کتنا حسین ہے اے دوست
مجھے گماں بھی نہ تھا راہ میں ملو گی تم
یہ اور بات کہ میں تم سے ملنے والا تھا
دیارِ دل میں تو کل رات سے اُجالا تھا



مقررہ جو مری رہ گزر تھی اُس پہ ندیم
نہ جانے کیوں مرے قدموں نے ساتھ چھوڑ دیا
ایک ایسی راہ پہ بڑھنے لگے قدم میرے
کہ جیسے دُور سے آواز دے رہا ہو کوئی



فضائیں دور، بہت دور تک تھیں مہکی ہوئیں
تمہارے جسم کی خوشبو نے مجھ کو روک لیا
میں آیا پاس مگر ایک اجنبی کی طرح
شبِ فراق میں پلکوں پہ روشنی کی طرح



تمہارا جسم تھا فیروزے رنگ میں ملبوس
کہ جیسے کوئی کرن ہو دھنک میں لپٹی ہوی
تمہاری زلفیں معطر بھی تھیں پریشاں بھی
نظر نظر سے برستا تھا زندگی کا خمار



تمہارے تازہ لبوں پر تھے پھول مہکے ہوے
تمہارے عارضِ شاداب تھے کنول جیسے
تمہارے کانوں میں دو بالیاں تھیں آویزاں

کہ جیسے گوشِ فلک میں ہلال ہو لرزاں
گلاب جیسے لب و رخ پہ حُسن کا غازہ
مہک رہا تھا سرِ راہ اک گُلِ تازہ



یہ ایک شکل بھی تھی رہ گزر پہ جلنے کی
وہ ایک روپ بھی جب تم نے مجھ کو دیکھا تھا
کبھی تو شہر کی مانوس شاہراہوں پر
کبھی تو شہر کی گمنام رہ گزاروں پر
کبھی سنبھلتا کبھی خود ہی لڑکھڑاتا ہوا
کوئی بھی رنگ ہو اک والہانہ تھا انداز
شکستہ دل سے نکلتی تھی ایک ہی آواز
جنونِ عشق کا وہ بانکپن بدل نہ سکا
کسی بھی شمع پہ پروانہ پھر بھی جل نہ سکا



کاجل

تمہارے پاس سرِ شام جب میں آیا تھا
تم آئیں پاس، نگاہیں جھکائے شرمائے
تم ایک پل کے لیے رک گئیں قریب آکر
ادائے خاص سے تم نے مجھے سلام کیا
کچھ ایسی ادا سے مرے پاس آ کے بیٹھ گئیں
مری نظر کے مقابل اک آئینے کی طرح
اُداس بھی تھیں، خوشی بھی عیاں تھی چہرے سے
قریب ہم تھے مگر فاصلہ زیادہ نہ تھا
بس ایک میز تھی حائل معاشرے کی طرح
وفا کی راہ میں پُر پیچ رستے کی طرح

●

تم اب کی بار بہت ہی حسین لگتی تھیں
کہ جیسے حسن و محبت کا ایک تاج محل
گداز مرمریں اصنام سے تراشا ہوا
ڈھلک گیا تھا سلیقے سے سرمئی آنچل
تمہارے دوش پہ دو چوٹیاں تھیں آویزاں
لبوں پہ ہلکی ہنسی اَن کھلی کلی کی طرح
شگفتہ چہرہ، بہاروں کی سرزمیں کی طرح
وفا شناس نظر تھی، نگاہ تھی پیاسی
بہت سی باتیں لبوں پہ تھیں یوں تو کہنے کو
نہ جانے بات تھی کیا مجھ سے تم نے کچھ نہ کہا
کچھ ایسی نظروں سے اوراقِ زندگی الٹے
نظر نظر میں کئی ماہ و سال بیت گئے
تمہاری گرم نگاہی سے دل پگھلنے لگے
مسرتوں کے دیئے آنسوؤں میں ڈھلنے لگے

●

تمہاری آنکھوں میں کاجل تھا پھیل جانے لگا
بہت دلاسا دیا میں نے مسکراتے ہوئے
کسی طرح بھی تمہارے شگفتہ لب نہ ہلے
جُھکی جُھکی سی نگاہیں تمہاری اٹھ نہ سکیں
تمہارا پھول سا چہرہ دھواں دھواں بھی تھا
تمہارے عارض و رُخسار مثلِ کاہکشاں
کبھی وہ موسمِ گُل کی طرح مہکتے رہے
کبھی تو فصلِ خزاں کی طرح سسکتے رہے

●

تمہاری پیاسی نگاہیں بہ یک نظر جو اُٹھیں
مری نگاہوں سے ٹکرا کے ہو گئیں تحلیل
خود اپنے غم کو چھپاتے ہوئے میں نے تم سے کہا
گر اعتراض نہ ہو تو میں لب کشائی کروں

کہو تو پھیلتے کاجل پہ ایک نظم کہوں



نگاہیں جھک گئیں گردن جھکا کے تم نے کہا
شریکِ رنج و الم میرے ہم نوا ساتھی
اُداس لمحوں کے مونس، مرے شریکِ غم
مری دوا کے مسیحا، مری دعا کے اثر
مری حیات کے ضامن مرے شریکِ سفر
سلگتی رات کی تنہائیوں کا تنہا رفیق

مرے حبیب! مرے زخمِ دل، مرے شاعر
مری اِن آنکھوں کے کاجل کا ذکر ہی کیا ہے
یہ جسم، جسم کی خوشبو یہ سب تمہارے ہیں
لچک بدن کی، ادا، ناز سب تمہارے ہیں
مری یہ مرمریں باہیں یہ عنبریں زلفیں
مری یہ سانسوں کی گرمی نظر نظر کا خمار
مری یہ بولتی آنکھیں یہ مسکراتے لب

سلگتی راتیں، مہکتی فضا، سنہرے خواب
حسین جاگتے لمحے یہ سب تمہارے ہیں



مگر یہ عارضی لمحے ہیں کیا بھروسہ ہے
یہ ہنستے بولتے دن کب تلک مرے شاعر
زمانہ تیز، بہت تیز گام ہے ساتھی
مسافروں کے قدم اب اکھڑنے والے ہیں
بھری بہاریں دو دل بچھڑنے والے ہیں
بطرزِ نو چلے آؤ کہ زہرِ غم کھائیں
تمام عمر نہ بھولیں گے یہ قسم کھائیں



کچھ حادثہ ایسا ہے کہ دل ٹوٹ رہا ہے
پھر آئینہ ہاتھوں سے مرے چھوٹ رہا ہے

اِسم نویسی

میں بی۔ اے پاس ہوں لیکن مری قیمت نہیں لگتی
خریداروں سے کیا شکوہ کہ یہ میرے مقدر ہیں
مرے پہلو میں بھی حالات کے کچھ تازہ نشتر ہیں
شرافت کے کھلے بازار میں تنہا کھڑی ہوں میں
بہ ایں عالم خریداروں کی چوکھٹ پہ پڑی ہوں میں
ہوس کاروں کے اِس میلے میں تنہا ہوں اکیلی ہوں
میں اکثر روشنی کے شہر میں تنہا بھٹکتی ہوں
بدل کر بھیس آتے ہیں نہ جانے کتنے سوداگر
نظر اُن کی بتاتی ہے کہ میں ہوں قیمتی پتھر

مرے خوددار ابا! میں ہراساں زندگانی سے
مری مغموم ماں ہے فکر میں میری جوانی سے

میں اکلوتی چراغِ رہ گزر ہوں اپنی منزل کی
اندھیرے منھ چھپالیں روشنی ہوں ایسی محفل کی

مری مرضی سے اے سوداگرو! موسم بدلتے ہیں
سرِ میخانہ اے چارہ گرو! میکش سنبھلتے ہیں
قریبِ میکدہ جاؤں تو ساغر لڑکھڑا جائیں
قریبِ گلستاں گزروں تو گلشن لہلہا اٹھیں
میں بھولے سے اگر کانٹوں کو چھولوں پھول بن جائیں
بہاریں میرے دامن کی ہوا سے زندگی پائیں

مرے ہونٹوں کو شاعر زندگی کا جام کہتے ہیں
مری سانسوں کی لے کو حُسن کا انعام کہتے ہیں
مرے ہلکے تبسم کو کلی کی شانِ زیبائی
اداؤں کو مری بادِ صبا کی پہلی انگڑائی

مری زلفوں کو ساون کی گھٹا کا نام دیتے ہیں
خموشی کو مری حُسنِ ادا کا نام دیتے ہیں

مری آنکھوں نے پائیں نرگسِ شہلا کی تشبیہیں
لب و عارض کو دیتے ہیں گلِ تازہ سے تمثیلیں

بہ ایں حالات میں اے ہم نشیں! اک شمع ایسی ہوں
کہ میں سہمے ہوئے ماحول میں خاموش جلتی ہوں
زباں کھلنے نہیں پاتی نظر خاموش رہتی ہے
حیاتِ تازہ میری، وقت کا ہر زخم سہتی ہے
لبوں پر بھول کر حرفِ شکایت آ نہیں سکتا
کسی کے آستاں سے سر مرا ٹکرا نہیں سکتا



دیکھے تھے کبھی آپ کی آنکھوں میں کچھ آنسو
اس روز سے میں آج تلک بھیگ رہا ہوں

چوڑیاں

تمہارے ہاتھ تو جبراً بھی کیا اُٹھے ہوں گے؟

تمہارے پھول سے ہاتھوں میں چوڑیاں تو نہ تھیں
یہ سُرخ سُرخ لہو رنگ چوڑیاں ساتھی
کنول کے پھول کی مانند سادہ ہاتھوں میں
تمہیں خبر بھی ہے کتنی حسین لگتی ہیں
قریب آؤ! نگاہیں ملا کے بتلاؤ
یہ کس دیار کا تحفہ ہے مجھ سے کچھ تو کہو
تمہارے ہاتھ تو جبراً بھی کیا اٹھے ہوں گے
حیاتِ پیار کا کیا کوئی بھی اصول نہیں
قدم قدم پہ ہیں کانٹے کہیں بھی پھول نہیں



تم آج، کل کی طرح کس لیے شگفتہ نہیں

یہ اِتنا فاصلہ پہلے تو درمیاں میں نہ تھا
ندامت آنکھوں میں، پلکیں جھکی جھکی سی ہیں
تمہارے ہنستے ہوئے لب بجھے بجھے سے ہیں
تمہاری آنکھوں میں اگلی سی روشنی نہ رہی
تمہارے لہجے میں اگلی سی سادگی نہ رہی
تصنع پہلے کبھی اِتنا گفتگو میں نہ تھا
مجھے یہ ڈر ہے وہ لمحے بدل گئے تو نہیں
دلوں کے ریشمی اوراق جل گئے تو نہیں



تمہیں کبھی نہ کبھی مجھ سے روٹھ جانا تھا
یہ جبرِ دل ہی، خاموش سر جھکانا تھا
میں تم سے کچھ نہ کہوں گا تم اب اداس نہ ہو
میں تم سے یہ بھی نہ پوچھوں گا کیوں پشیماں ہو
تمام عمر کے وعدوں کا تذکرہ ہی کیا
حیاتِ نو سے بہر حال دل لگانا ہے
کسی طرح تمہیں ماضی کو بھول جانا ہے





مری حیات کے اب تذکرے سے کیا حاصل
مرا نصیب ہے محرومیاں محبت کی
مرا نصیب ہے رسوائیاں محبت کی
مرا نصیب ہے مایوسیوں کا تنہا رفیق
مرا نصیب سلگتی حیات کا دامن
مرا نصیب محبت کا آخری آنسو
مری حیات کے اب تذکرے سے کیا حاصل
سنہرے خوابوں کی اب بھول کر نہ دو تعبیر
کسی کے پیار کی ہوں بولتی ہوئی تصویر



چھوڑ کر اپنا مکان اب میرا گھر دیکھے گا کون
میرے پلکوں کی نمی وقتِ سحر دیکھے گا کون

تم تو چشمِ نم کو آنکھوں میں چھپا کر لے گئے
میں کھڑا ہوں جس جگہ اُس موڑ پر دیکھے گا کون

گُلِ تازہ

وفا کی دیوی ہو تم کو میں چھو نہیں سکتا
یہ میرے ہاتھ محبت کے گیت لکھتے ہیں
تمہارے حُسن کی تعریفیں ہیں نغمہ مرا
تمہارے حُسن میں سو طرح رنگ بھرتے ہیں



وفا کی دیوی ہو تم کو میں چھو نہیں سکتا
مجھے یہ ڈر ہے تمہاری کرم نوازی سے
یہ ہاتھ گرمیٔ احساس سے نہ جل جائیں
تمہارے صندلیں قدموں کی تازگی کے لیے
کوئی بھی رُت ہو میں اشکوں کے پھول لاتا ہوں



تمہیں بھلاؤں گا میں تم نے ایسا کیوں سوچا

خدا گواہ کہ تم زندگی کا حاصل ہو
تمہارا پیار تو سینے میں دفن ہے میرے
کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہو گا کون ہو تم
کوئی سمجھ نہ سکے گا کہ تم ہو جانِ غزل
خبر نہ ہو گی کہ وہ کون ہے "گلِ تازہ"
دکھی دلوں کا کسی کو نہ ہو گا اندازہ



یہ میرے زخم ہیں یہ زندگی کے ساتھی ہیں
حیات ہو کہ اجل میرے ساتھ ساتھ ہیں یہ
تمام عمر سلگتا رہوں گا چھپ چھپ کر
میں جل بھی جاؤں گا لیکن دھواں نہ اٹھے گا
بہت جتن سے تمہیں میں نے دل سے چاہا ہے
مری نگاہ میں لے دے کے ایک منزل ہے
تمہارا پیار مری زندگی کا حاصل ہے



تمام عمر جلو شمع کی طرح لیکن

کسی کو یہ نہ خبر ہو کہ کیوں سلگتی ہو
کسی کے دل کے اندھیروں کی روشنی کیلئے
اُداس رات کی تنہائیوں میں جلتی ہو
جہاں کہیں بھی رہو تم مری "گلِ تازہ"
بکھر سکے نہ کبھی زندگی کا شیرازہ



لپٹ کے روتی رہی ہے تصویرِ زندگی مجھ سے
یہ کس کے ہاتھوں سے آئینہ گر گیا ہو گا

خطوط

تمہاری جاگتی آنکھوں کی یہ امانت ہیں

جو ہاتھ گیت وفاؤں کے لکھتے آتے ہیں
تمہارے سامنے وہ ہاتھ کانپ جاتے ہیں
خطوط اس لیے لوٹا رہا ہوں جانِ وفا
تمہاری جاگتی آنکھوں کی یہ امانت ہیں
خطوط اس لیے لوٹا رہا ہوں جانِ وفا!
وفاشناس بھی شائستۂ محبت ہیں



خطوط پیار کے جو تم نے مجھ کو لکھے تھے
وہ اب نہیں تو کبھی زندگی کے لمحوں میں
پیمبرِ زیست کسی مجرمِ وفا کی طرح

خلوصِ عشق کی رسوائیوں سے گھبرا کر
تمہاری پاک محبت پہ حرف لائیں گے
تمہاری جاگتی آنکھوں کی نیند اڑائیں گے



خطوط قربِ وفا سے جو تم نے لکھے تھے
وہ اب نہیں تو کبھی زندگی کے لمحوں میں
مجھے یقین ہے بے چین تم کو کر دیں گے
تمہاری آنکھوں سے اشکوں کے پھول برسیں گے



ہمارے عشق کا پہلا یہی وسیلہ ہیں
یہی تو پیار کا اک آخری سہارا ہیں
تم آج آخری بار ان کو پھر سے پڑھ لینا
پھر اپنے کانپتے ہاتھوں سے تم جلا دینا

●

یہ اس لیے کہ یہی رسم ہے محبت کی
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی میں جانِ وفا
بنامِ عشق بھی آنسو مجھے گوارا نہیں
کبھی یہ بھول کے بھی آ نہ جائے تم کو خیال
کسی کو تم نے کبھی کچھ خطوط لکھے تھے

●

وفا کی ریت ہی ایسی ہے میری جانِ حیات
یہ حُسن و عشق کی بازی عجیب بازی ہے
وفا پرست ہمیشہ ہی ہار جاتے ہیں
دیارِ عشق میں سب ہی فریب کھاتے ہیں
ہمیشہ ہوتی ہے تحقیر بے نیازی کی
وفا کے دور میں محمودؔ نے ایازی کی

●

خطوط لینے سے انکار تم کبھی نہ کرو
خدا کے واسطے تم اب بھی ہم خیال رہو



میں جیتے جی کبھی تم کو بھلا نہیں سکتا
خطوط ہی تو میں لوٹا رہا ہوں جانِ وفا
تمہاری یاد تو اب جزوِ زندگی ہے مری
یہ اور بات ہے جب بھی اداس ہوتا تھا
تمہاری یاد کا ہر زخم مسکراتا ہے
خطوط پڑھنے سے کچھ بوجھ ہلکا ہوتا تھا
اُداس لمحوں میں ان کا بڑا سہارا تھا



کب اکیلا میں رہا شہر کے سناٹوں میں
میری تنہائی میں بھی سایۂ ہمسایہ رہا

تیمارداری

شریکِ غم ہو مگر درد جانتے ہی نہیں

تم آج آئے ہو بیتر! تمہیں خبر بھی ہے
تمہاری یاد میں کل رات بھر تڑپتی رہی
تمہارا دعوے کہ میں ہوں تمہارے دل میں مکیں
شریکِ غم ہو مگر درد جانتے ہی نہیں

●

تمہارا شکوہ ہے تسلیم مجھ کو میرے ندیم!
زباں پہ حرفِ شکایت تمہارے آہی گیا
میں کتنے جبر سے اٹھا ہوں تم کو کیا معلوم
کسی نے بھی مجھے رکنے کے واسطے نہ کہا

●

ہمارے پیار کی توہین ہو گوارا نہیں
مجھے گماں بھی نہ تھا تم بھی بدگماں ہو گی
مگر کبھی مرے حالات پر بھی غور کرو
جو بات دل میں تمہارے ہے چشمِ تر کی طرح
تمام عمر نہ تم کہہ سکو گی محفل میں
مرے ندیم! ہیں آدابِ عشق ہی ایسے
نہ کھل کے ہنستے ہیں وہ اور نہ کھل کے روتے ہیں

●

یہ آرزو تھی رہوں رات بھر قریب مگر
معاشرے کی نگاہوں کو یہ پسند نہیں
بہ جبرِ دل بڑی مشکل سے لوٹ آیا ہوں
قدم قدم پہ کئی بار لڑکھڑایا ہوں
تمام رات تھا بے چین دل پریشاں تھا

نظر نظر میں دھواں، دل پہ چوٹ گہری تھی
تمام شب مری پلکوں پہ نیند ٹھہری تھی



میں چاہتا تھا کہ شب بھر تمہارے پاس رہوں
کبھی میں الجھے ہوئے گیسوؤں کو سلجھاؤں
کبھی میں آنکھوں کی پہنائیوں میں کھو جاؤں
کبھی میں سانسوں کی خوشبو سے دل کو مہکاؤں
سلگتی شمعوں کی مانند خود پگھل جاؤں
مگر زمانے کو یہ آرزو قبول نہ تھی
خلوصِ دل کا تھا اظہار، کوئی بھول نہ تھی



کہاں تلک میں یونہی بوند بوند کو ترسوں
تم ابر تھے تو تمہیں ٹوٹ کر برسنا تھا

ایک رات کا مہمان

فسادِ خون کا بازار جوں ہی گرم ہوا
تمام شہر کا شیرازہ جب بکھرنے لگا
دیارِ شعر و سخن میں جو خوں ہوا ارزاں
فضائیں شہرِ طرب کی جو ہو گئیں مسموم
بگڑ رہا تھا جو تہذیبِ زندگی کا نظام
سنہری صبحیں، اندھیروں میں ور ڈھلنے لگیں
رُخِ حیات پہ افسردگی سی چھانے لگی
ہر اک محلے میں تھی دہشت و ہراسانی
گلی گلی میں تحفظ کا تذکرہ جاری
سحر میں عیسیٰ نفس کے وقار کا تھا سوال
شبوں میں عظمتِ مریم کو تھا بڑا خطرہ
سہاگ رات کی سیتا کا دل دھڑکنے لگا

جدھر بھی نظریں اٹھائیں، سنگ ہی تھی چتا



تجھے بلایا تھا تم نے کچھ ایسے عالم میں
کہ موت و زیست میں اک کشمکش مسلسل تھی
اندھیرے نور کی چادر کو چاک کرتے ہوئے
قریب شہرِ نگاراں ابھر کے آئے تھے



وفا کے شہر کا یوں تذکرہ کیا تم نے
کسی طرح ہی سہی دن گزرتے جاتے ہیں
مگر پہاڑ سی راتیں گزر نہیں پاتیں
تم آج رات ہو میرے گھر کے مہماں
اداس گھر کا ہے ماحول زندگی لرزاں
بجز تمہارے کوئی اور تو نہیں ایسا

جو اپنی آخری سانسوں کو نذرِ جام کرے
جو وقت آنے پہ قاتل کو زیرِ دام کرے
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو زندگی کے لیے
خود اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر آئے
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو روشنی بن کر
سیاہ راتوں میں جل جل کے نور برسائے
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو زندگی بن کر
حیات و موت کے مفہوم کو سہارا دے
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آخرِ شب تک
ہر ایک جلتی ہوئی شمع کا مداوا کرے
اسی لیے ہی تو منت کشِ وفا ہوں میں
وفا کے شہر میں جلتی ہوئی چتا ہوں میں



اُداس اتنی نہ ہو اے مری وفا پیکر
مری حیات! مری آرزو! مری ہمدم

مرے نصیب میں ایسی بھی ایک شب آئی
جو میزبان تھا کل تک وہ بن گیا مہماں

●

تم آدھی رات گئے جانے کیوں قریب آئیں
گلابی آنکھوں میں آنسو تھے خونِ دل کی طرح
لہو کی بوندیں اُبھر آئی تھیں نگاہوں میں

●

اچانک ایسے میں جس بات کا تھا ڈر وہ ہوا
شبِ سیاہ تھی ہنگامہ شہر میں اٹھا
ہر اک گلی میں، محلے میں قتل و خون ہوا
وفا کا شہر اُداسی کا ایک مدفن تھا
تمہارے گھر کی مقدس سی سرزمیں کے قریب
مدافعت میں وہی شہرِ دل کا دیوانہ
وفا کی آخری اُس شمع کا وہ پروانہ
وفا شناس، محبت پہ حرف لا نہ سکا
تمہاری راہ میں لڑتا ہوا شہید ہوا

●

آنسوؤں کی برات

یہ واقعہ ہے کہ کل رات، جب اندھیرے بڑھے
بہت ہی پیار سے تم نے جلا دیئے تھے چراغ
یہ اِس لیے کہ اندھیروں سے میں نہ گھبراؤں
چراغ تم نے جلائے تھے روشنی کے لیے
حسین لمحوں کی تا دیر زندگی کے لیے



تمہاری پلکوں پہ رقصاں تھی آنسوؤں کی برات
وفا کی آگ میں خاموش جل رہی تھی حیات
اچانک ایسے میں محفل پہ چھا گئی خاموشی
نہ جانے کونسے لمحوں کی تم کو یاد آئی
مہکتے لب پہ محبت، وفا کی بات آئی
مسرتوں سے نہیں غم سے آنکھ بھر آئی

شگفتہ پھول سے چہرے کا رنگ اُترنے لگا
وہ زلف، عارض و رخسار کی جو زینت تھے
بکھر بکھر کے اندھیروں کی سمت بٹنے لگے
تمہارے لب پہ شگفتہ کنول جو کھلتے تھے
وہ دل کی آہ کی گرمی سے اور مرجھائے



تمہاری آنکھوں میں تھی روشنی محبت کی
مگر وہ پھر سے اندھیروں میں خود ہی ڈھلنے لگی
یہ آنکھیں کل جو رہیں منتظر کسی کے لیے
نہ جانے کس لیے بے نور ہوتی جاتی ہیں
تمہاری شبنمی آنکھوں میں کل جو نشہ تھا
نہ جانے کیوں وہ سرِ بزم پھر اُترنے لگا
اندھیری رات میں تم نے جو روشنی کی تھی
وہ روشنی تو سرِ بزم بجھ گئی کل رات
میں کس طرح سے یہاں روشنی کی بات کروں

یہ آرزو ہے اندھیروں میں تم کبھی نہ رہو
کسی چراغِ تمنا کی روشنی میں جیو



ایک پل کے لیے

تمام عمر کا حاصل مری "گُلِ تازہ"
ہزار ضبط پہ بھی لب تمہارے کھُل ہی گئے
تمہیں خبر ہے کہ جب میں قریب بیٹھا تھا
تمہاری آنکھوں نے کتنی کہانیاں کہہ دیں
تمہارے شربتی ہونٹوں پہ کتنے پھول کھلے
تمہارے لہجے میں اک درد تھا ترنم تھا
تمہاری سانسوں سے خوشبو مہکتی رہتی تھی



تمہیں خبر ہے کہ جب میں قریب بیٹھا تھا
تمہیں میں دیکھ رہا تھا کچھ ایسی نظروں سے

کہ جیسے تم مری سب کچھ ہو اور کچھ بھی نہیں
ہزاروں لمحوں کی ساتھی ہو ایک پل کی نہیں
اداس بھی تھا، مسرت بھی میرے ہونٹوں پر
عجیب کشمکشِ زندگی میں الجھا تھا



تمام عمر نہیں، مجھ سے ایک پل کے لیے
نظر ملاؤ کچھ اس طرح گرم جوشی سے
کہ پھر کبھی مجھے دیدار کی طلب نہ رہے



زندگی یوں نہ مجھے چھوڑ کے جا تا تنہا
اک نظر دیکھ لے میں بھی ترا ہمسایہ ہوں

تم کو کیا نہیں معلوم

اگر قریب بلاؤ خلوص دل سے مجھے
زمانے والے مجھے اجنبی ہی سمجھیں گے
مرے خلوص کا پابند کوئی رشتہ نہیں
تمہیں خبر نہیں کتنے بہائے ہیں آنسو
سلگتی راتوں کی شمعوں کا جائزہ لے لو
مہکتی راتوں کے تاروں سے حالِ دل پوچھو
جو خود ہے کھویا ہوا اس کو آج پانا کیا
تمہاری خوشیوں سے اب مجھ کو دیے لینا کیا



تمہیں پتہ ہے کہ میں کتنا چاہتا ہوں تمہیں

بجز تمہارے مجھے اور کچھ بھی یاد نہیں
میں کس قدر ہوں دکھی تم کو کیا نہیں معلوم



تمہیں خبر نہیں کس حال میں گزرتی تھی
تمہارا ساتھ جو چھوٹا کہیں وہ بھی نہ رہا
کہاں کہاں نہ مری زندگی بھٹکتی رہی
کہاں کہاں نہ مری آرزو سسکتی رہی



نظر بچا کے مری چشم تر میں رہتی ہے
وہ ایک پیاس جو پہلی نظر میں رہتی ہے

ترے بدن کی مہک جو کسی بھی گل میں نہیں
کبھی کبھی وہ نسیم سحر میں رہتی ہے

پھر کب آؤ گے

ہر ایک بار یہ کہتی ہو پھر کب آؤ گے
تمہیں بتاؤ کہ وعدہ میں کس زباں سے کروں
ہے آرزوئے ملاقات ہر نفس میں مگر
معاہدات سے توہینِ آرزو ہوگی
تمہاری بزم سے میں کتنی دور جاؤں گا
ہر ایک سانس میں سو بار لوٹ آؤں گا



میں اپنی مرضی سے اِس بزم میں نہیں آتا
مجھے لطیف سے جذبات کھینچ لاتے ہیں
لبوں پہ مُہر تو احساس کی زباں ہی سہی

تم اس لطیف سے جذبے کا کوئی نام نہ دو
مگر وہ لاکھ چھپانے سے چھپ نہیں سکتا
یہ شمعِ دل ہے بجز درد، جل نہیں سکتی
کبھی وہ بھیگتی پلکوں پہ آکے چمکے گی
کبھی سلگتے لبوں پر وہ آکے اُبھرے گی



کبھی وہ عارض و رخسار پر کنول کی طرح
کبھی نشیلی سی آنکھوں سے میکدہ بن کر
کبھی وہ ایک تبسم سے دے گی اپنی خبر
کبھی حیا کے وہ پردوں سے سرسرائے گی
اداس لمحوں میں اکثر وہ جگمگائے گی



جہاں کہیں بھی محبت کا نام آتا ہے
وفا، جفا کے تصور سے لڑکھڑاتا ہوں
مگر یہ دامنِ امید چھوٹتا ہی نہیں
دلوں کا رشتہ کچھ ایسا ہے ٹوٹتا ہی نہیں



کسی کی سالگرہ پر

رئیسہ، نجمہ، نفیسہ، زرینہ آئی ہیں
حیاتِ خضر کی تم کو دعائیں دیتی ہیں
خوشی مجھے بھی ہے میں بھی تو آج آیا ہوں
تمہاری سالگرہ کی خوشی ہے سب کو مگر
مری مسرتیں کیوں غم میں ڈھلتی جاتی ہیں
یہ اب کی بار مرے دل پہ کیوں اداسی ہے



میں پہلی سالگرہ پر تھا کس قدر شاداں
خوشی سے جھومتا رہتا تھا میں پون کی طرح
وفا کا نام ہی لیتا تھا، جرم کچھ بھی نہ تھا
مری خوشی کو زمانے نے خود ہی چھین لیا
میں اس لیے ہی تو اب مسکراتے ڈرتا ہوں
وفا کی راہ پہ چلتے ہوئے ٹھہرتا ہوں

غریبِ شہر کو اتنا نہ تم دلاسہ دو
شریکِ غم سہی تم مجھ سے چھوٹ جاؤ گی
مرے لیے تو یہ تقریب آخری ہے ندیم!
میں اگلے سال تمہیں دیکھ بھی نہ پاؤں گا



تم آج پاس بجھی، ہو مسکرا بھی سکتی ہو
مگر خبر نہیں اس کی کہ کل کہاں ہو گی
تم اُن دنوں نئے ماحول میں سماؤ گی
جہاں ملے گا تمہیں پیار زندگی بھر کا
جہاں نسیمِ سحر تم کو گدگدائے گی
ہنسو گی، بولو گی، تا عمر گنگناؤ گی
ہر ایک فصل میں تا دیر مسکراؤ گی



یہ ایک سالگرہ کا بھی دن ہے میرے ندیم
وہ ایک سالگرہ کا بھی دن ہے یاد مجھے
وہ لمحے جن کو میں کوشش سے بھی بھلا نہ سکا
تم اُس مقام پہ آئی تھیں خود جھکتے ہوئے

جہاں پہ چشمِ مروّت نے آنکھ کھولی تھی
جہاں اچھوتی اُمنگوں نے لی تھی انگڑائی
جہاں دھڑکتے دلوں کی صدائیں جاگی تھیں
جہاں پہ نظروں نے روحوں سے گفتگو کی تھی
جہاں لطیف سے جذبات گنگنائے تھے
مری خموشیٔ وفا کا تھا تم کو اندازہ
اُسی زمانے میں تم بن گئیں "گلِ تازہ"



وہ دن بھی کتنے حیات آفریں تھے میرے ندیم!
تم آئیں جب کبھی، پاسِ حیا کو ساتھ لیے
وہی کتابیں، وہی کاپیاں، وہی ہم تم
حسین لمحوں میں رہتے تھے دیر تک گم صُم
مگر یہ قرب کے دن ختم ہونے والے ہیں
یہ لمحے دامنِ دل کو بھگونے والے ہیں
خدا کرے کہ اِسی طرح مسکراتی رہو
وفا کی شمعیں ہر اک رت میں تم جلاتی رہو



انتساب

مری کتاب کا جب تم نے نام رکھا تھا
تمہیں تو یاد نہ ہوگا مجھے ہے یاد اب تک
ہر ایک شعر تمہارے شگفتہ ہونٹوں پر
نسیمِ صبح کی مانند جھوم جاتا تھا
چمن میں از سرِ نو پھر بہار آئی تھی
دیارِ حسن میں تا دیر پھول مہکے تھے
کنول وفا کے سرِ شام مسکرائے تھے
چراغِ مہر و وفا پھر سے جگمگائے تھے

مری حیات کا وہ زخم اے "گلِ تازہ"
تم آج دیکھ رہی ہو کہ اُس کی خوشبو سے
دیارِ حسن و محبت جھکتا رہتا ہے

ہر ایک لفظِ وفا، دل کی بات کہتا ہے

اُداس لمحوں میں جب مجھ کو یاد آتی ہو
تمہاری یاد کو پہلو میں ساتھ ساتھ لیے
میں اُس مقام پہ جاتا ہوں لڑکھڑاتے ہوئے
جہاں وفا کے کئی پھول مسکرائے تھے
جہاں حیات کے لمحے قریب آئے تھے

تمہیں یقین نہ آئے گا لیکن اب بھی وہاں
تمہارے قدموں کے تازہ نشان ملتے ہیں
دیارِ شوق کی خاموش اُن فضاؤں میں
مہکتے جھومتے جذبات لہلہاتے ہیں
تمہارے جسم کی خوشبو مہکتی رہتی ہے
تمہاری نقرئی آواز اب بھی گونجتی ہے

زمانہ بیت گیا، رُت بدل گئی لیکن
تمہاری یاد ہے تازہ شگفتہ گُل کی طرح

وہ لمحے آج بھی نظروں میں پھرتے رہتے ہیں
تم آج پاس نہیں پھر بھی ایسا لگتا ہے
کوئی تو ہے جو مرے ساتھ ساتھ رہتا ہے
وہ لمحے چاہ کے بھی میں بھلا نہیں سکتا
نیا چراغ کوئی پھر جلا نہیں سکتا



کون آیا تھا کل گھر مرے کیا چھوڑ گیا ہے

ہر لمحہ تری طرح سے خوشبو میں بسا ہے

اک عمر تلک یہ کچھ مجھے معلوم نہیں تھا

میں کیا ہوں تمہیں دیکھ کے اندازہ ہوا تھا

روشنی کی شہزادی

یہ میں نے اس لیے تم سے کہا پرائی ہو
تم اب نہیں تو بہت جلد چھوڑ جاؤ گی
تمام رشتوں کو جو روشنی کے ضامن ہیں
تمام رشتوں کو جو زندگی کی راہوں میں
اچانک آتے ہیں ملتے ہیں پھر بچھڑتے ہیں

ہمارا ربط ہی ایسا ہے اے گلِ تازہ
جو دل پہ گزری ہے اک دن سمجھ میں آئے گا
یہ کچھ اور دن تو گزرنے دو بے ثباتی کے
یہ کچھ اور مہکے گا احساسِ تشنگی میرا
یہ پیاس اور بڑھے گی، کبھی نہ کم ہو گی
یہ زندگی کی ہے سچائی یہ فریب نہیں

تمہاری دوری کا احساس جب ستاتا ہے
خیال آتا ہے بے نام سے اُجالوں کا
کہ جن کا کام فقط روشنی ہی دینا ہے
نظر میں اُن کی گلستاں ہو یا کہ صحرا ہو
وہ جانتے ہی نہیں کس کے گھر اُجالا ہے

یہ کیسا رشتہ ہے تم دور بھی ہو پاس بھی ہو
عجیب ربطِ مسلسل ہے تشنگی کی طرح
تمہیں بتاؤ پرائی ہو یا کہ اپنی ہو
کسی پگھلتی ہوئی شمعِ آرزو کی طرح

میں چلتے چلتے بہت تھک گیا تھا سوچا تھا
یہ سایہ دار درخت اور بھی یہاں کچھ دن
اک اجنبی سے مسافر کو چھاؤں میں اپنی
خلوص، پیار سے کچھ دیر تو بٹھائے گا
مگر ہوائیں بہت تیز چل رہی ہیں یہاں
گمان و وہم کی بے اعتبار سانسوں کی

جو لمحے اب ہیں میسّر تمہاری قربت کے
تمام عمر بھی گزرے تو پل نہ پائیں گے
نہ جانے کس لیے اکثر یہ سوچتا ہوں میں
یہ لمحے کس کے تھے اب کس کے اختیار میں ہیں
یہ فیصلہ بھی بہر حال تم کو کرنا ہے

مرا خلوص، نئی روشنی کی شہزادی
جہاں کہیں بھی رہو تم شگفتہ گل کی طرح
تمام عمر مہکتی رہو فضاؤں میں
تمام عمر نہاتی رہو اُجالوں میں

زمانہ تم کو جو فرصت ذرا کبھی دیدے
کبھی کبھی اُسی شاعر کو یاد کر لینا
جو روشنی کا تسلسل ہے تشنگی کا رفیق
یہ اس لیے کہ تمہیں وہ بھی یاد کرتا ہے

●

وہی ادائیں وہی سادگی وہی انداز

عجیب رسم ہے تہذیبِ عاشقی کی ندیم
تمہارے پاس میں آکر بھی تم سے مل نہ سکا



تمہارے گھر میں تھی تقریب لوگ آئے تھے
مری نگاہ مگر تم کو ڈھونڈتی ہی رہی
تمہیں نہ پا کے مری آرزو پہ جو گزری
مرے ندیم سنانے سے فائدہ کیا ہے
ہر ایک لمحہ یہ دل پہ گماں گزرتا تھا
کسی طرح مجھے اپنی جھلک دکھا دو گی
مگر وہ تشنہ نگاہی جو میری قسمت ہے

مجھے نصیب ہوئی تشنہ آرزو کی طرح
تمہارا زخمی وہ لہجہ، تمہاری وہ آواز
جو میرے کانوں میں امرت سا گھول دیتی ہے
مرے نصیب میں لہجے کا وہ گداز نہ تھا



کسی طرح، کئی لمحے، کئی گھنٹے
گزارے میں نے محبت کی آبرو کے لیے
مگر وفا کا ہمیشہ ہی سر بلند رہا
تمہاری بزم سے جب سارے لوگ اٹھنے لگے
نگاہیں میری، تمہاری نظر سے ٹکرائیں
وہی ادائیں، وہی سادگی، وہی انداز
خدا کچھ اور کرے، بانکپن دراز عمر دراز



پیاسی یہ زندگی نہ رہے

تمہارے دوش پہ کل رات بال بکھرے تھے
کہ جیسے جھوم کے آئی ہو میکدے میں گھٹا
تمہاری زلفوں میں جوں ہی بکھر گئیں کلیاں
تمہارے جسم کی گرمی سے پھول بننے لگیں
ٹنکے ہوئے تھے قرینے سے موتیا کے پھول
مہک رہی تھیں شگفتہ سی پھول کی لڑیاں
تغیرات تمہارے تھے دید کے قابل
سجی ہوئی تھی سلیقے سے رات کی محفل

●

کبھی اُچٹتی نگاہوں سے دیکھ لیتی تھیں
کبھی تو نرم نگاہی کا دور چلتا تھا
کبھی تو ہونٹوں پہ افسردگی نظر آتی
کبھی تو ہلکا تبسّم بکھرتا جاتا تھا
کبھی تو ریشمی آنچل کو خود ہی لہرائیں
تم اپنی خاص ادا سے کبھی ٹہلتی تھیں
کبھی ٹھہرتی تھیں دیوار کے سہارے سے
کبھی تو کمرے سے چپ چاپ تم چلی جاتیں
کبھی قریب کھڑی رہتیں اجنبی کی طرح
کبھی تو صوفے پہ تم آکے بیٹھ جاتی تھیں
کبھی تو میز کو سرکاتیں، پاس کر لیتیں
کبھی تو میز سے اخبار تم اٹھا لیتیں
کبھی تو ریڈیو چپکے سے آن کر دیتیں
کبھی تو چلتے ہوئے فین کو رُکا دیتیں
کبھی تو لائٹ کے کچھ بلب تم بجھا دیتیں

کئی پتنگوں کو دانستہ تم سزا دیتیں



اِسی طرح سے کئی لمحے اور بیت گئے
مگر تمہارے لبوں سے کبھی نہ پھول جھڑے
تمہارے ہونٹوں پہ چسپاں تھی مُہرِ خاموشی



تمہیں میں دیکھ رہا تھا کچھ ایسی نظروں سے
کہ جیسے ختم ہو تم پر وفا جفا کا چلن
کہ جیسے آخری منزل ہو ہم سفر کے لیے
دِلوں کو جیسے بچھڑنا ہو عمر بھر کے لیے
تمہاری پلکوں پہ ایسے میں اشک تھرائے
لبِ شگفتہ پھر ایسے میں کپکپانے لگے

●

وہ بات رسمِ وفا کی جو حرفِ آخر تھی
تمہارے دل سے نکل کر لبوں پہ لہرائی
اُداس لہجے میں گردن جھکا کے تم نے کہا
مرے رفیق! مری آرزو! مرے ساتھی
مری حیات! مرے شاعرِ "گُلِ تازہ"
پھر اس کے بعد سحر کا بھی کیا بھروسہ ہے
قریب آؤ کہ روحوں میں تشنگی نہ رہے
قریب اتنا کہ پیاسی یہ زندگی نہ رہے

●

پھر اندھیرے گھر میں میرے روشنی ہو جائیگی
آپ جب لوٹیں تو دنیا دوسری ہو جائیگی

بھیگی پلکیں

(نہ جانے کونسے لمحوں کی یادگار ہو تم)

تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ جانے کیوں آئے
تمہاری آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں آتے
تمہاری آنکھوں کی قسمت میں مسکرانا ہے
تمہاری آنکھیں اندھیروں کے واسطے تو نہیں
تمہاری آنکھیں تو ہیں حرفِ روشنی کے لیے
تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ جانے کیوں آئے

یہ اشک آنکھوں میں یوں ہی کبھی نہیں آتے
دلوں پہ جب کوئی گہری سی چوٹ لگتی ہے
حیاتِ تازہ کا شیرازہ جب بکھرتا ہے

کبھی جو عہدِ گزشتہ کی یاد آتی ہے
دلوں کے زخم سلیقے سے جب اُبھرتے ہیں
تو اشکِ غم کئی، پلکوں پہ جگمگاتے ہیں
دلوں کے داغ ابھرتے ہیں روشنی کی طرح
فسردگی نظر آتی ہے تازگی کی طرح

یہ اشک آنکھوں میں یوں ہی کبھی نہیں آتے
حیات جب کبھی افسردہ ہوتی جاتی ہے
الجھتے ہیں جو کہیں حادثے سلیقے سے
وفا جفا کا چلن جب بھی عام ہوتا ہے
خلوص، پیار، ہوس بن کے جب ابھرتا ہے
وفا شعاروں پہ جب لوگ طنز کرتے ہیں
تو ایسے میں کئی اشکوں کے پھول کھلتے ہیں
قدم قدم پہ کئی حادثات ملتے ہیں

نہ جانے بات ہے کیا اس قدر اُداس ہو تم
نہ جانے کون سی الجھن میں مبتلا ہو تم

نہ جانے کونسا ہے زخم جو چھپاتی ہو
زباں سے کچھ تو کہو اجنبی نہیں ہوں میں

بہت اداس ہو کیوں اس قدر ملول ہو تم
خزاں رسیدہ گلستاں کا ایک پھول ہو تم
یہ بکھری بکھری سی زلفیں دھواں دھواں جیسی
یہ ہنستے بولتے لب کیوں ہیں اس قدر خاموش
یہ چاندنی کی طرح جسم مضمحل کیوں ہے
بجھی بجھی سی شمعیں ہیں گویا سلگتی دو آنکھیں
کہ جیسے بولتی آنکھوں میں آج ساون ہے
دلِ شگفتہ کا کیوں بھیگا بھیگا دامن ہے

تمھاری آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں آتے
سنو کچھ اور قریب آؤ میری بات سنو!
میں اجنبی ہی سہی اتنا اجنبی بھی نہیں
تم ایسے وقت کسی کا تو اعتبار کرو
جو بات دل میں کھٹکتی ہے آج کھل کے کہو

وہ بات دل میں رہے گی، تمہارے دل کی طرح
بھروسہ مجھ پہ کرو اپنی زندگی کی طرح

تمہیں تو اپنا ہی غم ہے کبھی یہ سوچا ہے
کچھ اور لوگ بھی دنیا میں اشک پیتے ہیں
کچھ اور لوگ بھی بہ غور ش غم میں جیتے ہیں
اداس رات کی تنہائیوں میں چھپ چھپ کر
غمِ حیات کا جی بھر کے زہر پیتے ہیں

کچھ ایسی آنکھیں ملیں گی کہ جن کی قسمت میں
سوائے حسرتِ ناکام کیا ملا اُن کو
کچھ ایسی آنکھیں ملیں گی کہ جن کی قسمت میں
اداس رات کے پوشیدہ زخم ملتے ہیں
کبھی کبھی ہی سہی، اُن کا جائزہ لے لو
کبھی کبھی ہی سہی، اُن کو آسرا دے دو

تمہاری پلکوں پہ جب دیپ جگمگاتے ہیں

تمہارے اشک کوئی آکے پونچھتا ہوگا
مری بھی آنکھیں پگھلتی رہیں اکیلے میں
مگر کبھی کوئی دامن مجھے ملا بھی نہیں

تمام عمر سلگتی رہیں مری پلکیں
کسی کا ریشمی آنچل کبھی بڑھا بھی نہیں
تمام عمر مری تشنگی بھٹکتی رہی
سراب کا بھی کسی نے مجھے پتہ نہ دیا —
تمام عمر ترستا رہا محبت کو
کسی کا ہاتھ مرے ہاتھ تک بڑھا بھی نہیں
تمام عمر میں اک لفظ پیار کی خاطر
ہر ایک در پہ محبت کے آسرے کے لیے
میں اپنا دامن امید لے کے پھرتا رہا
کسی نے میری وفاؤں کا کچھ صلہ نہ دیا
مری وفا کا دیا آج بھی سلگتا ہے
اندھیری راتوں میں دل، زخم بن کے جلتا ہے

اُداس ہوتی ہو جب تم تو یہ بھی ممکن ہے

سہیلیاں چلی آتی ہوں تم کو سمجھانے
اداس ہوتا ہوں جب میں تو کوئی پاس نہیں
نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ آشنا کوئی
تو ایسے میں مرے نزدیک دل کی بیتابی
رفیقِ دل کی طرح میرے ساتھ رہتی ہے

ہم آج پاس ہیں ہم ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں
جو بات دل میں ہے اپنا سمجھ کے کہتے ہیں
وہ دن قریب بہت ہی قریب ہے ہم تم
بچھڑ ہی جائیں گے ایسے کبھی ملے بھی نہ تھے
تمہارے شہر کی گلیوں سے دور جاؤں گا
تمام زندگی زخموں سے پھول چُن چُن کر
تمھاری یاد کی تُربت پہ میں چڑھاؤں گا
اِسی طرح سے جو سانسیں بچیں گی جی لوں گا
حیات زہر سہی مسکرا کے پی لوں گا

تمہاری آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں آتے

جہاں کہیں بھی مری تشنگی کی بات چلے
تم اپنے پھول سے نازک لبوں کو چھو لینا
جہاں پتنگا تلاشِ سحر میں جلتا ہو
تو ایسے میں ہی سہی مجھ کو یاد کر لینا
زمانہ جب بھی محبت کے نام کو ترسے
تو ایسے میں ہی سہی مجھ کو یاد کر لینا
کسی جگہ بھی جو مایوسیوں کا ذکر چلے
تو ایسے میں ہی سہی مجھ کو یاد کر لینا
یہ اِس لیے کہ تمہیں میں بھی یاد کرتا ہوں
وفا کے ذکر پہ اکثر میں آہ بھرتا ہوں

خدا گواہ کہ اوراقِ دل پہ اب تک بھی
کسی کا نام نہ لکھا نہ لکھ سکوں گا کبھی
خدا گواہ کہ اِن منتظر نگاہوں کو
بجز تمہارے کسی کا بھی انتظار نہیں

خدا کرے کہ یہ آنکھیں تمہاری ہنستی رہیں

کسی زمانے میں پلکوں پہ کچھ نمی نہ رہے
خدا کرے کہ ان آنکھوں میں روشنی کے سوا
کبھی اندھیروں کی پرچھائیوں کا ذکر نہ ہو
خدا کرے کہ کبھی بھی نہ تم ملول رہو
تمام عمر، شگفتہ، مہکتا پھول رہو
خزاں نصیب چمن کی بھری بہار رہو تم
نہ جانے کون سے لمحوں کی یادگار رہو تم



دلِ زندگی کے زخم کو سہتا تو ہے مگر
پہلی نظر کی چوٹ کبھی بھولتا نہیں

اور کیا ملا مجھ کو

تمہیں کہو تمہیں ویسے بھی کیا نہیں معلوم
یہ اور بات کہ تم مجھ سے سننا چاہتی ہو
تمہیں بتاؤں زمانے نے کیا دیا مجھ کو
سوائے تشنہ لبی اور کیا ملا مجھ کو



تم آج پوچھ رہی ہو کہ مجھ کو کیا غم ہے
ہمیشہ بھیگتی پلکوں پہ کیوں یہ شبنم ہے
تمام عمر سلگتی رہیں مری پلکیں
میں پوچھتا ہوں کہاں تھا تمہارا یہ آنچل
کہ جس کو پلکوں نے اک دن مسیحا سمجھا تھا

میں لڑکھڑا تا غمِ زندگی کا زہر پیے
تمہارے شہر کی گلیوں میں ہی بھٹکتا رہا
کسی نے ایک قدم بھی نہ میرا ساتھ دیا



کہاں کہاں نہ گیا میں سکونِ دل کے لیے
خدا گواہ کہیں بھی مجھے سکوں نہ ملا
کسی کے دامنِ امید کا بھروسہ کیا
تمہیں نے جب مرے اشکوں کو آسرا نہ دیا
سلگتے ہونٹ اک اک بوند کو ترستے رہے
کسی کے ہاتھ لبوں تک مرے پہنچ نہ سکے
زمانے والے اندھیروں سے بڑھ کے کیا دیتے
مری نگاہوں میں تھی جتنی روشنی لے لی



یہ اُن کے زخم ہیں

میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا اور ہے بھی کون
جسے میں جان سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہوں
تمہیں دکھاؤں گا میں زندگی کا ایک ایک زخم
میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا وقت آنے دو
بہت سے زخم دیئے ہیں مجھے زمانے نے



میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا وقت آنے دو
یہ زخم اپنے ہی لوگوں کے ہیں عطا کردہ
یہ اُن کے زخم ہیں جو عمر بھر کے ساتھی ہیں
یہ اُن کے زخم ہیں جو اپنی آرزو کے لیے

مری اُمنگوں کے ہر پھول کو مسل ڈالا
یہ اُن کے زخم ہیں جو اپنی تشنگی کے لیے
مرے لبوں کو سُلگتا ہوا ہی چھوڑ گئے
یہ اُن کے زخم ہیں جو اپنی روشنی کے لیے
مرے چراغوں کو بے وقت ہی بجھا ڈالا
یہ اُن کے زخم ہیں جو میری بھیگی پلکوں سے
بہت سے پھول چُنے دامنِ خوشی کے لیے
یہ اُن کے زخم ہیں جو مجھ کو راہ دکھلا کر
تمام عمر بھٹکنے کے واسطے چھوڑا
یہ اُن کے زخم ہیں جو میرا نام لے لے کر
ہمیشہ میری محبت کے گیت گاتے رہے



نظر ملا کے کہاں تم نے ساتھ چھوڑ دیا
وہ بے قرار نگہ آج تک بھی پیاسی ہے

وہ آج تک بھی پیاسا ہے

بھٹک رہا ہوں ڈسمبر کی سرد راتوں میں
تمہارے شہر کی مانوس شاہراہوں پر
تمہارے شہر کی سنسان رہ گزاروں پر
خموش راتوں میں گمنام اُداس گلیوں میں
سسکتی راتوں میں اُجڑے ہوئے سے کوچوں میں
اکیلا جیسے مسافر کی آرزو کی طرح
قدم قدم پہ کئی بار لڑکھڑاتے ہوئے
امید و بیم کی راہوں میں ڈگمگاتے ہوئے

●

نہ کوئی راہ نہ رہبر نہ کوئی منزل ہے
کوئی رفیق کوئی چارہ گر کوئی ہمدرد
نہ کوئی دوست نہ ساتھی نہ مونس و ہمدم
شریکِ حال نہ کوئی شریکِ رنج و الم
کوئی صدا ہے نہ آواز ہے نہ آہٹ ہے
فضا میں کوئی ترنم نہ گنگناہٹ ہے
اُداس لمحوں کی آنکھوں میں ہیں لہو کے ایاغ
خموش راتوں کے سینوں میں جل رہے ہیں چراغ

●

تم اپنے گرم شبستاں سے آکے دیکھ تو لو
وہ ایک شخص جو کل تک بھی جانِ محفل تھا
تمہارے پیار کا حاصل، تمہارا دیوانہ
تمہارا چاہنے والا، تمہارے دل کا مکیں

وہ آج ماضی کی یادوں کو دل سے لپٹائے
حیات و موت کے بے سائباں دوراہے پر
کھڑا ہے جانے وہ کیا کیا نہ سوچتا ہوگا
اکیلا تنہا محبت کو رو رہا ہوگا



تم اپنے گرم شبستاں سے آکے دیکھ تو لو
وہ ایک رند جو تھا آبروئے مے خانہ
تمہیں خبر نہیں وہ آج تک بھی پیاسا ہے
تمہیں خبر نہیں اب اُس کے خشک ہونٹوں پر
لرز رہے ہیں حوادث کے کتنے پیمانے



تمہارا کیا ہے کہ تم گرم گرم راتوں میں
ردائے فصلِ بہاراں میں لپٹی لپٹائی

سنہرے خوابوں کے میلوں میں کھو گئی ہو گی
دبیز، نرم دوشالوں میں سو گئی ہو گی



وہ ایک شاعرِ آوارہ زندگی کا نقیب
وہ ایک درد کا مارا وہ روشنی کا نقیب
کہیں وہ بجلی کے کھمبے تلے کھڑا ہو گا
یہیں کہیں کسی فٹ پاتھ پر پڑا ہو گا



مجھے تم سوچ کر زہراب دینا
کئی پیاسے لبوں کی تشنگی ہوں

اندھیروں کے حوالے کرنے والو
کسی محفل کی میں بھی روشنی ہوں

خاموش جل نہ جاؤں کہیں

کہو تو بات نہ کرنے کا عہد بھی کر لوں
مگر یہ ڈر ہے کہ خاموش جل نہ جاؤں کہیں
کہو تو ترکِ تمنا قبول ہے مجھ کو
مگر یہ ڈر ہے کہ دیوانہ وار بھٹکوں گا
کہو تو پاس بھی آنے سے اجتناب کروں
مگر یہ ڈر ہے کہ تم اور یاد آؤ گی
تمہیں کہو کہ میں اب کیا کروں کہاں جاؤں
میں اپنے آپ کو کس طرح کیسے سمجھاؤں

●

بصد خوشی میں چلا جاؤں گا جہاں بھی کہو

مگر یہ شرط ہے تم سے مجھے سکون ملے
وہاں بھی جاؤں گا میں تم جہاں بھی کہتی ہو
مگر یہ شرط ہے یادیں تمہاری ساتھ نہ ہوں
مجھے یقین ہے ایسا نہ مشورہ دو گی
وہ رہ گزر بھی تمہیں ہی تلاش کرنی ہے



مری سمجھ میں تو صرف اک مقام آتا ہے
جہاں میں تم کو بھلانے میں کامیاب ہوں
اگر شراب کے نشے کے بعد بھی مجھ کو
تمہاری یاد ستاتی رہی تو کیا ہو گا
تمہاری یاد کبھی دل سے جا نہیں سکتی
تمام عمر رُلاتی رہی تو کیا ہو گا



تمہیں بھلانے کی خاطر کہاں کہاں نہ گیا
تمہاری یاد مگر دل سے جا نہیں سکتی
تمہیں بھلانے میں ایسے مقام پر بھی گیا
جہاں خلوص، محبت کا نام لے لے کر
حیات، برسرِ محفل، غلام ہوتی ہے
تمہاری یاد مگر دل سے جا نہیں سکتی
رباب و چنگ کی آواز گھنگروؤں کی صدا
تمہارے لہجے کا انداز پا سکی نہ کبھی
پیالہ میری طرف تو بڑھا یا ساقی نے
تمہاری آنکھوں کا نشّہ مگر کہیں نہ ملا
ہجوم لالہ رُخاں میں بھی تشنہ کام رہا
مرے سسکتے لبوں پر تمہارا نام رہا



تمام دنیا ادھوری تھی میری آنکھوں میں
ہر اک جگہ پہ اندھیروں سے بڑھ کے کیا ہوگا

بہت ہی کرب کے عالم میں اُٹھا محفل سے
تمہاری یاد کو سینے میں سما تھ ساتھ لیے
وہاں سے لوٹ کے آیا میں اپنی دنیا میں
پھر اُس مقام پہ آیا میں لڑکھڑاتا ہوا
جہاں پہ ہم نے محبت کی ابتدا کی تھی
جہاں سے تھے کبھی ہم دل اک آئینے کی طرح
بہت سے آنسو بہائے بنامِ تشنہ بہی
تمام شمعیں بجھیں اور پھر دھواں اٹھا
مگر کچھ آخرِ شب دل کا درد اور بڑھا
تمام عمر کے ساتھی سے بچھڑ نہ آنکھ ملی
سحر کے ساتھ کسی باوفا کی سانس رُکی
وفا کے کانپتے ہاتھوں سے جام چھوٹ گئے
جنم جنم کے جو رشتے تھے پل میں ٹوٹ گئے

بازگشت

نئی حسیات مبارک! اگر مری ہمدم
نظر بچا کے زمانے سے ملنے آئی ہو
معاشرے کی نگاہوں سے بچ کے یوں ملنا
ہمارے دور کی تہذیب کو نہیں منظور
قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچ لینا تھا
یہ رہ گزر کسی شاعر کی رہ گزر تو نہیں



قریب آ کے نہ آواز دو خدا کے لیے
تمہارے بعد مری زندگی میں کچھ نہ رہا
یہ میرا دامن تر ہے تو اس کا ذکر ہی کیا

تمہارے اشکوں کی قیمت کی اور عمر دراز
ابھی تو پلکوں پہ اِن موتیوں کو رہنے دو



جب آئے ہو تو قریب آؤ آج کھل کے کہو
تمہارے شہر میں اب بھی ہے کیا وفا کا چلن
تمہارے شہر کی مصروف شاہراہوں پر
وفا پرست اسی بانکپن سے چلتے ہیں
تمہارے شہر کی بے نور کالی راتوں میں
سلگتی شمعوں پہ پروانے اب بھی جلتے ہیں
اگر یہ سچ ہے تو پھر اِس میں کیا بُرائی ہے
وہ کیا کمی ہے جو یاں تم کو کھینچ لائی ہے



کہاں ہو تم

کہاں ہو تم مری تنہائیوں کو دو آواز
مرے وجود کی پنہائیوں میں تہ در تہ
تمہاری سانسوں کی خوشبو مہکتی رہتی ہے
تمہارے قرب کا احساس تشنگی کی طرح
شگفتہ ہونٹوں کو چھونے کی آرزو لے کر
مہک مہک کے فضاؤں میں پھیل جاتا ہے



تم ایک ایسی امانت ہو میرے ماضی کی
کہ جس کو بھیگتی پلکوں میں اب چھپائے ہوئے

نہ جانے کس کے لیے شہر شہر پھرتا ہوں



نہ چھینیو مجھ سے کبھی اعتماد کی دولت
بھروسہ چاہیئے تقدیرِ آرزو کے لیے
مری نگاہ میں اتنا بھرم تو رہنے دو
میں بجھتے بجھتے اُجالوں کے کام آؤں گا
پگھل پگھل کے نئے صبح و شام لاؤں گا



ہر لمحہ خاموش سوالی ہی رہے گا
جب آپ نہ ہوں گھر مرا خالی ہی رہے گا

زادِ سفر

یوں دیکھنے میں شگفتہ ہوں
مسکراتا ہوں
میں کتنے کرب میں ہوں مبتلا
کسے معلوم



سوائے غم
کوئی زادِ سفر نہیں میرا
سوائے دردِ مسلسل
ملا بھی کیا مجھ کو



یہ غم کے آنسو
مری نامراد پلکوں پر
نہ جانے کونسی راہوں میں چھوڑ جائیں گے
ہزاروں لوگوں میں رہ کر بھی کتنا تنہا ہوں
تمہارے ایک نہ ہونے سے بے سہارا ہوں



کہاں میں جاؤں
بتا! اے مری "گلِ تازہ"
تھکا ہوا سا مسافر ہوں زندگانی کا
نہ جانے کونسی راہوں میں سانس اکھڑ جائے



اب انتظار بھی کرلوں تو فائدہ کیا ہے
حیات و موت میں ویسے بھی فاصلہ کیا ہے



یہ کیا ادا ہے کہ تم

یہ کیا ادا ہے کہ تم وعدہ کرکے بھول گئیں
ذرا لحاظِ دلِ منتظر کیا ہوتا

یہ مانتا ہوں کہ حالات سے ہو تم مجبور
میں خود بھی اب کہاں حالات سے گریزاں ہوں



تم آئیں بزمِ وفا میں بہ صد خلوص مگر
تمہیں خبر نہیں صدیاں گزار دیں میں نے
تم آئیں بھیگتی برسات میں لرزتی ہوئی
تم آئیں بزم میں رُکتے ہوئے سنبھلتی ہوئی
حجاب آنکھوں کے پردوں میں رقص فرما تھا
نظر جھکا کے کبھی اور نظر اٹھا کے کبھی
تم اضطراب کے عالم میں دیکھتی تھیں مجھے

قریب رہ کے بھی تم مجھ سے کتنی دُور رہیں
تجلی عام تھی، تم پھر بھی مثلِ طُور رہیں



میں کب سے منتظرِ دید تھا بتا ہے تمھیں
ہر ایک سانس میں سو طرح کا گماں گزرا
ہر ایک لمحہ تھا صدیوں کا سلسلہ جیسے
ہر اک نفس میں تمہارا ہی نام لیتا تھا
کس اضطراب کے عالم میں وقت گزرا ہے
تم اپنی بزم کی تنہائیوں سے بھی پوچھو
یہ اور بات کہ احساس کی نگاہوں سے
میں جب بھی چاہتا ہوں تم کو دیکھ لیتا ہوں
ہمیشہ تم مرے دل کے قریب رہتی ہو
کبھی کبھی ہی سہی مجھ سے ہم کلام رہو
زباں پہ مُہر اگر ہے نظر سے بات کرو



کہاں تھیں تم؟

ہزاروں لوگ ہیں اِس شہر میں
کہاں تھیں تم
نہ جانے
کتنی ہی نظروں کو تھی تمہاری تلاش
نہ تم کو ربط تھا
سورج کی تیز کرنوں سے
نہ تم کو چاند کی ٹھنڈک سے تھی شناسائی



چھپی تھیں

ریشمی نازک حسین پردوں میں
کہ جیسے تم ہو
کسی گھر کی آبرو کی طرح

●

نظر جھکے تو اندھیروں کی زلف لہرائے
نظر اُٹھے تو اُجالوں کا جسم شرمائے

●

تشنگی جب کبھی مے خانے میں لے آتی ہے
آپ کی پیاس مرے ہونٹوں پہ جم جاتی ہے

آپ نے اتنے کچھ احسان کیے ہیں مجھ پر
زندگی آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے

میں اِس مقام پہ مدّت کے بعد آیا ہوں

میں اِس مقام پہ مدّت کے بعد آیا ہوں
زمانہ ساز نگاہوں پہ مسکراتے ہوئے
یہ انجمن مرے ماضی کی یہ حسین محفل
اُداس اداس ہے
بے جان، مضمحل سی ہے
خدا ہی جانتا ہے اُس پہ کیا گزرتی ہے
میں اُس سے دور بہت دور تھا مگر
پھر بھی
بہت قریب تھا پلکوں پہ آنسوؤں کی طرح

●

وہی ہے میز وہی کرسیاں وہی صوفے
وہی کتابیں، وہی کاپیاں وہی سب کچھ
وہی ہوں میں بھی مگر تم بدل گئیں شاید

●

یہ وہ جگہ ہے جہاں
اشکِ غم بہائے تھے
جلایا تھا مجھے ساون کی بھیگی راتوں نے
گداز شمعوں کی مانند
روشنی کے لیے
بہت سے آنسو اِسی میز پر بہائے تھے

●

●

مگر یہ شمعیں جو کل تک یہاں فروزاں تھیں
بجھی بجھی سی ہیں
یہ بکھری بکھری کتابیں یہ کاپیاں میری
یہ میرے گیت، مری نظمیں یہ مری غزلیں
نہ جانے کب سے اسی طرح منتشر ہیں یہاں
تمہارے ہاتھ بھی شاید نہ چھو سکے اُن کو
مگر یہ سچ ہے کہ اب تک بھی ان بیاضوں پر
ورق ورق پہ مرے خونِ دل کے قطرے ہیں

●

مجھے یقیں تو نہ تھا
اتنی جلد تم خود بھی
بدل ہی جاؤ گی حالات کے تقاضوں سے
وہ مسکراتے ہوئے لب وہ عارضوں کی دمک

جھکی جھکی سی نگاہیں
وہ صندلی بانہیں
شفق نواز وہ عارض
وہ ریشمی زلفیں
صدف مثال وہ لب اور وہ سرمگیں آنکھیں
دھواں دھواں سی ہیں



جبیں پہ کاہکشاں ہے نہ مانگ میں افشاں
اُداس اُداس سا چہرہ
بجھی بجھی آنکھیں
یہ مانتا ہوں کہ ہے وقت تیز گام بہت
مگر تم اور مرا انتظار کر لیتیں



کون مجرم تھا سزا کس کو ملی

کون مجرم تھا سزا کس کو ملی
اب تو قاتل بھی مسیحائی کا دم بھرتا ہے
فرض کی آہنی زنجیر میں جکڑی ہوئی تم
میں محبت کا گنہ گار
ازل سے پیاسا



ایک دن تم نے کہا
زیست کا

ویسے بھی بھروسہ کیا ہے
جانے کب سانس رُکے آس کے بندھن ٹوٹیں
تم مجھے شہرِ وفا میں کبھی رسوا نہ کرو
میں تو گمنام ہوں
گمنام ہی رہنے دو مجھے

گرمیٔ عشق سے چپ چاپ ہی جل جاؤں گی
آخری شمع کی مانند پگھل جاؤں گی



میّت کو مری شب بھر اس طرح سجا رکھنا
تم میرے سرہانے اک یادوں کا دیا رکھنا

طے کرنا ہے لمحوں میں برسوں کی مسافت کو
نیّرؔ! مرے آنے تک کچھ سانسیں بچا رکھنا

یوں ہی سہی

تم کو رسوائی کا ڈر ہے تو چلو
یوں ہی سہی
میں ہی خاموش ہوا جاتا ہوں
احتیاط اِتنی کہ جنبش بھی نہ ہونے پائی
مُہر جلتے ہوئے ہونٹوں پہ لگائی تم نے



کچھ دنوں سے میں اِسی سوچ میں ہوں
کیسے ہم دونوں کے وشواس کے بندھن ٹوٹے
جانے کیا بات ہوئی
مصلحت عشق کی
ناموسِ وفا تک پہنچی



کچھ وفا پیکر

بہت اُداس تھا جب میں تو کچھ وفا پیکر
خلوصِ دل سے مری زندگی میں آنے لگے
جو زخم تم نے لگائے تھے خودشناسی کے
تمام زخم توجہ سے اُن کی بھرنے لگے
مجھے قریب کیا اپنی زندگی کی طرح
مگر حیات میں جو تھی کمی، کمی ہی رہی
یہ اور بات ہے بے لوث پیار کو میرے
"حیاتِ تازہ" کی پرچھائیاں تو آئیں نظر
مگر وہ پیار کی دنیا کو پھر بھی چھو نہ سکیں
انھوں نے میری اندھیری سیاہ راتوں میں
کئی چراغ سرِ شام ہی جلا ڈالے
مگر تمہاری نگاہوں کی روشنی کے سوا
دیارِ دل میں کبھی بھی اُجالا ہو نہ سکا

●

کہو تو فرہاد بن کے جی لوں

اُداس لمحوں میں زندگی کے
تمہارا خط
روشنی کا قاصد
دیارِ دل میں خوشی کا پیغام لے کے آیا
مگر میں ایسی مسرتوں کی خاطر
غموں کے لمحوں کو بیچ دوں گا
نہ جانے کیوں
بے وفائی کا زہر دے کر
مجھے بہاروں کی سرزمیں سے
سلگتے صحرا میں تم نے چھوڑا

●

●

رفیقِ من!
میرے غم کے ساتھی!
بہت ہی مصروف ان دنوں تھا
خیال آرائے انجمن تھا
کبھی تو نظموں کے پیرہن میں
کبھی تو غزلوں کے بانکپن میں
تمہاری یادوں میں، میں نے جو کچھ
وفا کی محفل میں شعر لکھے
وہی ہیں اب روشنی کسی کی

●

مگر میں اکثر یہ سوچتا ہوں
یہ سلسلہ کب تلک رہے گا
نہ جانے کب تک بھٹکنا ہو گا۔

تمہیں بتاؤ کہ کیا کروں میں
کہو تو اس شہر سے تمہارے
چلا تو جاؤں گا ایک دن میں
مگر وہ محروم میاں جو میری
شریک رنج والم ہوی ہیں
میں کس طرح اُن کا ساتھ چھوڑوں
میں کیسے اُن کو فریب دے دوں
تمہیں بتاؤ کہ کیا کروں میں
کہو تو فریاد بن کے جی لوں
کہو تو دامن کے چاک سی لوں



دیواریں اور اور بچی ہوئیں رخصتی کے بعد
تاکید ہے کہ خط نہ لکھوں زندگی تمام

وہ ایک نظم
(زباں تمہاری مگر میں نے گفتگو کی ہے)

جو نظم تم نے یہ اصرار مجھ سے مانگی تھی
میں چاہتا تھا کہ تم میرے روبرو بیٹھو
مرے قریب رہو تم اک آئینے کی طرح
میں نظم پڑھتا رہوں تم بہ غور سنتی رہو



وہ نظم میں نے تمہارے لیے ہی لکھی تھی
میں چاہتا تھا کہ تم میرے روبرو بیٹھو
کبھی کبھی تو میں دیکھوں تمہاری آنکھوں میں
یہ جاننے کے لیے کتنی بے قرار ہو تم

تمہاری بولتی آنکھوں میں پیار رقصاں ہو
تمہاری آنکھوں میں ایسی بھی تشنگی دیکھوں
تمام عمر کسی طرح بھی جو بجھ نہ سکے
تمہاری آنکھوں میں ہو میرے پیار کی تصویر
تمہاری آنکھوں میں دیکھوں میں پیار کی تعبیر



مگر وہ نظم بہ اصرار تم نے لی مجھ سے
مجھے یقین ہے تم نے بہ چشمِ نم شب بھر
ہر ایک شعر کو سو بار پڑھ لیا ہوگا
مجھے یقین ہے میرے سلگتے شعروں پر
تمہارا جذبۂ خوابیدہ جاگ اٹھا ہوگا
مجھے یقین ہے اوراقِ دل کے پڑھنے سے
تمہاری سوئی امنگوں نے لی ہو انگڑائی
مجھے یقین ہے تم نے بہ صد خلوصِ دروں

ہر ایک لفظ کو دل سے لگا لیا ہو گا
تمام رات کئی بار رو پڑی ہو گی
دیارِ عشق میں تا دیر کھو گئی ہو گی



میں چاہتا تھا کہ وہ نظم خود ہی میں پڑھ دوں
یہ اس لیے کہ مری نظم میں تمہیں تم ہو
جو بات شعر کے سانچوں میں میں نے ڈھالی ہے
زبانِ شعر سے میں نے وہ بات کہہ دی ہے
زبان تمہاری مگر میں نے گفتگو کی ہے



وہ ایک شخص جو یادوں کا سلسلہ تھا کبھی
مرے خیال سے کرتا ہے گفتگو اب بھی

یہ کس کا نام ہے!

قلم اٹھانے سے پہلے یہ بارہا سوچا
یہ کس کا نام ہے
اوراقِ دل پہ لکھا ہوا

●

کتابِ دل کے ورق پر ہے ایک ایسا نام
جو میرے ذہن کے نازک سے نرم پردوں پر
چمک رہا ہے
خیالوں کی انجمن کی طرح

●

تمہارے نام کا مفہوم گو بدل جائے
نگاہِ لطف میں یکساں ہے زندگی کا وقار
کوئی بھی دور ہو
دل کی سنہری تختی پر
رہے گا نام تمہارا
نشاطِ دل کی طرح
یہ اور بات کہ بکھرے ہوئے خیالوں کو
حسین لفظوں کا سادہ سا پیرہن نہ ملا



خدا کرے کہ وہ جب تک بھی محوِ خواب رہے
ہمیشہ ہاتھوں میں اس کے مری کتاب رہے

سادہ ورق

تم ایک پل کے لیے ہی نہیں ہو شمعِ وفا
ہمارا رشتہ ہے برسوں کا جانا پہچانا
کل آئیں بادِ صبا کی طرح چلی بھی گئیں
کتابیں، کاپیاں ہیں میز پر ہی بکھری ہوئی
غریبِ شہر کا کتنا خیال رکھتی ہو
ہر ایک موڑ پہ کیا سوچ کر ٹھہرتی ہو



بڑے خلوص سے تم میرے پاس آتی ہو
مہکتے پھولوں کی مانند مسکراتی ہو
پلک پلک پہ وفا بن کے جگمگاتی ہو

مہکتی رات کے سینے میں تم سلگتی ہو



ہمارے پاک دلوں کا چراغ یوں ہی جلے
چراغِ مہر و وفا عمر بھر سلگتا رہے
کوئی بھی ہاتھ ہماری وفا کو چھو نہ سکے
کوئی بھی مرحلہ ہم کو کبھی نہ دور کرے
ہوا زمانے کی اپنے قریب آ نہ سکے
کوئی بھی جلتی ہوئی شمعوں کو بجھا نہ سکے
کبھی نہ رشتۂ دل اپنا تشنہ کام رہے
وفا کے سادہ ورق پر ہمارا نام رہے



اِس شہرِ بے نوا میں ہوں دستک تو دے کوئی
دروازہ میرے دل کا ابھی تک کھلا تو ہے

پھول مرجھا گئے

اپنے ہی شہر کی بات ہے
ایک شب چاندنی رات میں
محفلِ شعر و نغمات میں
دو شگفتہ، مہکتے ہوئے پھول مرجھا گئے

پہلے تو یوں ہوا
بزم میں نور و نغمات کی ایک شب
مجھ کو جانا پڑا دل کی آواز پر
زندگی منتظر تھی نگاہیں بچھائے ہوئے
بھیگی پلکوں پہ شمعیں جلائے ہوئے
اُس نے مجھ سے کہا، "آئیے!"
میں کھڑا سوچ میں رہ گیا

اُس نے پھر یہ کہا آیئے
روم میں اپنے پھر مجھ کو بلوایا
ایک تنہا مسافر کی مانند میں
سوچتا رہ گیا
مجھ سے کہنے لگیں کوئی تازہ غزل؟
میں عجب کشمکش میں رہا
سوچ میں پڑ گیا
عقل حائل ہوئی
دل مگر ایک لمحہ بھی رکتا نہ تھا
روشنی منتظر
پھول سے عارضوں کی دمک اور بڑھنے لگی
اُس کے پھر پنکھڑی جیسے لب ہل گئے
نذر کی میں نے اک اپنی تازہ غزل
نیم پردہ جو حائل تھا اُٹھنے لگا
رفتہ رفتہ وہ میرے قریب آ گئی
نظریں نیچی کیے
سمٹی سمٹی ہوئی

ہلکے ہلکے قدم
بولتی اُس کی آنکھوں میں شبنم بھی تھی
روشنی بھی مگر
اُس کے لب پنکھڑی کی طرح خود سے کھلنے لگے
اِک گُلِ تازہ، بن کے مہکنے لگے

حادثہ زیست کا دِل کا دشمن بنا
وقت خاموش نظروں سے دیکھا کیا
کوئی منزل نہ تھی ہم سفر کے لیے
ہم جُدا ہو گئے عمر بھر کے لیے



تمام رسم کی زنجیریں توڑ کر مجھ سے
تمہارے بعد یہاں کون ملنے آئے گا

شناخت

تم اجنبی کی طرح
مجھ سے اِتنی دُور رہو کیوں
تمہارا پیار تو برسوں کی آرزو ہے مری
تم اجنبی تو نہیں ہو کہ مجھ سے دور رہو

●

تمہارے چہرے کو اُس وقت سے میں پڑھتا ہوں
کسی کے چہرے کو پڑھنے کی رسم، عام نہ تھی
تمہارے لہجے کی خوشبو سے کب سے ہوں مانوس
تمہیں پتہ بھی نہ کچھ ہو گا اس کا میرے ندیم!
تمہارے ہونٹوں پہ تازہ کنول کھلے بھی نہ تھے
تمہارے ہونٹوں کی میں تازگی سے واقف ہوں

●

ماضی کا ایک ورق

تمہارے ہاں یہ سنا ہے کہ آج محفل ہے
مسرتوں کے لیے وقف آج ہر دل ہے
سنا ہے آج درو بام جگمگائیں گے
حیاتِ نو کے کئی پھول مسکرائیں گے
قدم قدم پہ جلیں گے مسرتوں کے دیئے
روش روش پہ ملیں گے مہکتے پھول گلے
تمہاری بزم میں مہکیں گے پھول اور کلیاں
خوشی سمیٹ کے لائیں گی شہر کی گلیاں
تمہاری بزم کا ہر گوشہ مسکرائے گا
سرور و کیف سے ماحول جھوم جائے گا
فضا میں قہقہے بکھریں گے کہکشاں بن کر

رہے گی یاد یہ محفل بھی، داستاں بن کر



بہ قدرِ حوصلہ تحفے بھی لوگ لائیں گے
کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے آج آئینہ رو
جو ساتھ لائیں گے تازہ بہار کی خوشبو
رَوِش رَوِش پہ بکھریں گے پھول اور غنچے
خدا کرے کہ اِسی طرح "پھول بن" مہکے
کریں گے آج تمہیں نذر پھول کی مالا
ہر ایک گوشۂ محفل میں ہو گا اجیالا



مجھے یہ فکر ستاتی ہے میں تمہیں کیا دوں
جو بس چلے تو ستاروں کے ہار پہنا دوں
غریبِ شہر سہی، غم پسند شاعر ہوں

تمہیں پتہ ہے کہ میں دردمند شاعر ہوں



یہ پھول وہ نہیں موسم کی جن پہ قید رہے
یہ پھول وہ ہیں رہیں گے جو مسکراتے ہوئے
مرے یہ پھول ہر اک پھول سے جدا ہونگے
یہ پھول ہر دلِ نازک کا آسرا ہوں گے
یہ نظم میری وفاؤں کی پھول مالا ہے
وفا کے شہر میں اخلاص کا اجالا ہے



تمام رات سلگتے ہوئے سحر کی ہے
بڑے خلوص سے یہ نظم میں نے لکھی ہے
ہر ایک لفظ میں سچا خلوص سچی وفا
ہر ایک لفظ مری نظم کا سلگتا دیا

خلوص، پیار، محبت، وفا میں ڈوبا ہوا
ہر ایک لفظ ہے زخموں کی طرح مہکا ہوا
غریبِ شہر ہوں مجھ کو نہ تم ملول کرو
بطورِ تحفہ مری نظم کو قبول کرو
تمہارے واسطے سچ ہے کہ کچھ بھی لا نہ سکا
مجھے یہ رنج رہے گا کہ خود میں آ نہ سکا



اِک نسل میرے سامنے ہے کیا جواب دوں
ٹوٹے ہوئے مکانوں کی تعمیر رہ گئی

ترکِ تعلق کے بعد

یہ سچ ہے
ترکِ تعلق کے بعد بھی اب تک
تمہاری یاد کو دل سے لگائے پھرتا ہوں
شکستہ دل کو تو یادوں کا اک سہارا تھا
نگاہِ لطف سے تم نے اُسے بھی چھین لیا



ایک ایسا لمحہ بھی آیا تھا یاد ہو گا تمہیں
وفا کی بزم میں پھر سامنا ہوا اپنا

تم آئیں پاس مرے
دیر تک کھڑی بھی رہیں
خموش ہی رہے ہم
کوئی گفتگو نہ ہوئی



ہوا تھا تم کو مری تشنگی کا اندازہ
سلگ رہے تھے دل و جاں
مگر دھواں نہ اُٹھا
نظر کے سامنے اک روشنی کا دریا تھا
میں بدنصیب تھا اک بوند بھی تو پی نہ سکا



رفیق دل کی طرح کون ساتھ دیتا ہے
لبوں پہ سب کے تو اظہار غم شناسی ہے

کاغذی پھول

وہ بات ہو کے رہی جس کا مجھ کو خدشہ تھا
وفا کی آگ میں پروانہ جل گیا تنہا

تمہارے بارے میں کیا کیا نہ سوچ رکھا تھا
تمہیں میں جان سے بڑھ کر عزیز سمجھا تھا

میں کتنے شوق سے اشکوں کے پھول لایا تھا
مہکتے غنچوں سے محفل کو بھی سجایا تھا

تمہارے واسطے پلکوں پہ روشنی کی تھی
سسکتے پیار کے لفظوں کو زندگی دی تھی

سلگتی رات کے دامن میں شعر لکھے تھے
ستارے کتنے ہی پلکوں پہ میری ابھرے تھے

مری وفاؤں کا تم نے تو کچھ صلہ نہ دیا
سوائے اشکوں کے مجھ کو تو اور کچھ نہ ملا

تمہیں کہو کہ میں نغموں سے بڑھ کے کیا لاتا
مری حیات کا سرمایہ اور بھی کیا تھا



میں ایک شاعرِ آوارہ جس کا سرمایہ
خلوص، پیار، محبت، وفا، عقیدت ہے
بڑے خلوص سے لایا تھا نظم تحفے میں
مری طرف سے یہی تھا تمہارے حصے میں
جَڑی ہوئی تھی محبت کے وہ نگینوں سے
سجائے رکھا تھا میں نے بڑے قرینوں سے
تمہارے نام سے جو نظم میں نے لکھی تھی
تمہارے نام سے منسوب نظم جو کی تھی
وہ نظم آج سرِ بزم مجھ کو لوٹا نا
کسی سے پیار کیا تھا یہ بھول بھی جانا



تم مجھ سے بدگماں تو نہیں؟

تمہارے پاس میں آیا تھا آج سہما سہما
مجھے یہ خوف تھا تم مجھ سے بدگماں تو نہیں
مگر تمہاری نظر کو تھا انتظارِ شدید
نہ جانے کب سے نگاہیں بچھائے بیٹھی تھیں
مجھے بلایا، بٹھایا، بہت سی باتیں کیں



تمہارے نرم شگفتہ، گلاب جیسے لب
کچھ اِس ادا سے کِھلے جیسے اک کنول تازہ
تمہارے عارض و رخسار تھے ترو تازہ

تمہارے لہجے میں اک درد تھا، ترنم تھا
تمہاری باتوں کا انداز تھا حیات افزا



وہ بات جو مرے احساس کی زباں تھی کبھی
تمہارے سامنے وہ بات میں نے کہہ دی تھی
یہ اِس لیے کہ میں اپنا سمجھ کے کہتا ہوں
اگرچہ دل میں بہت سے ہیں زخم پوشیدہ
مگر تمہیں نہ کروں گا کبھی میں رنجیدہ



وہ شخص لے گیا مری آنکھوں کی روشنی
میں جس کو اپنے گھر کا اُجالا نہ دے سکا

تیرا دل کاش کہ روشن ہوتا

آج بھی آیا ہوں محفل میں ہمیشہ کی طرح
تیری خاطر، تری محفل کے لیے
خونِ دل "پیار" "وفا" خونِ تمنّا لے کر
نذر کرنے کے لیے
تاکہ روشن ہو تری بزم کا اک اک گوشہ
تاکہ روشن ہو تری خلوتِ دل



میں غمِ زیست کا مارا انساں
جس کی منزل نہ کوئی راہ گزر

زندگی بھر کی تھکن جس کے ہے چہرے کا نصیب
جس کی آنکھوں میں ہمیشہ ہی سلگتے ہیں دیے
جس کے ہونٹوں پہ تبسم کی لکیریں بھی نہیں
جس کے دل میں ہیں کئی زخم ہمیشہ کی طرح
جس کی آہوں میں دھواں رقص کناں



کوئی تقریب سجی تھی شاید
یاد تو ہوگا تجھے
کتنے ہی لوگ تری بزم میں آتے ہی رہے
کوئی آواز بھی مرہونِ سماعت نہ ہوئی
تجھ کو فرصت ہی کہاں



مجھ کو ویسے بھی شکایت نہ رہی تجھ سے کبھی

ہے مجھے اپنی محبت سے گلہ
سوچتا رہتا ہوں اکثر میں یہی
کیوں تری بزم کو اپنا سمجھا
جانے کس جُرم کی دی تُو نے سزا
لوگ پاتے ہیں محبت کا صلہ
لیکن اے دوست! مجھے صرف اذیت کے سوا
کچھ نہ ملا ـــــ
میری بے لوث محبت پہ پھر اک ضرب لگی
رشتۂ مہر و وفا کاش کہ ٹوٹا ہوتا

●

آخرِ کار تری بزم سے اُٹھنا ہی پڑا
چلتے چلتے اِک اُچٹتی سی نظر تجھ پہ پڑی
بُجھ رہے تھے تری محفل کے دیئے
روشنی بزم کی مدّھم مدّھم ـــــ
شمعیں روتی رہیں خود اپنی کہانی کہہ کر

میں نے بڑھ بڑھ کے ہر اک شمع کے آنسو پونچھے
بجھ رہے تھے تری محفل کے دیئے
ایک اک شمع کو سینے سے لگایا میں نے
بجھتی شمعوں کے لیے بجھتے چراغوں کے لیے
تاکہ روشن ہو تری بزم کا اک اک گوشہ
تاکہ روشن ہو ترا گوشۂ دل
تیرا دل کاش کہ روشن ہوتا



برادری سے میں کیوں کر اسے الگ سمجھوں

وہ بے وفا ہی سہی مجھ پہ مہربان بھی تھا

بجز تمہارے کسے میرے غم کا اندازہ

ایک دوست کے استفسار پر

تمہیں یہ فکر کہ ہے کون وہ "گلِ تازہ"

جو میری آخری دھڑکن کا حرفِ آخر ہے

مجھے یقین کہ اب تم کو کیا نہیں معلوم

تمہیں پتہ ہے کہ ہے کون وہ "گلِ تازہ"

بجز تمہارے کسے میرے غم کا اندازہ



جو نام برسوں سے ہونٹوں پہ رقص فرما ہے

وہ نام چھین نہ لو آج میرے ہونٹوں سے

جو بات دفن ہے صدیوں سے میرے سینے میں

وہ بات تم کو بتانے سے کچھ نہیں حاصل

جو پھول پلکوں پہ میں نے سجائے رکھے تھے

وہ پھول اوروں کے دامن میں کیوں بکھر جاتے

جو خواب آنکھوں میں میں نے چھپائے رکھے تھے

وہ خواب میرے ہیں مجھ سے کبھی نہ چھینو تم

میں جیسا کچھ بھی ہوں جس حال میں ہوں جینے دو

وفا ہے جرم تو یہ زہر مجھ کو پینے دو

اشکوں کے پھول

بڑے خلوص سے تم نے مجھے بُلایا تھا
کہ آ بھی جاؤ کہ کچھ مشورہ بھی کرنا ہے
بہت دنوں سے ہوں میں منتظر چلے آؤ



کہاں ملے تھے تمہیں یاد بھی نہیں ہوگا
مجھے تو وقت، جگہ، دن بھی یاد ہے اب تک
مہکتی بھیگتی شب پھر وہ سانولی گھڑیاں
نفس نفس کو مرے آج بھی جگاتی ہیں
لہک لہک کے مرے ساتھ گفتگو کرنا

مجھے تو یاد ہے افسوس تم ہی بھول گئیں



ذرا یہ سوچ لو تم نے یہی کہا تھا نا!"
بہت عزیز ہو تم مجھ کو زندگی کی طرح
یہ کہہ کے تم نے مجھے الجھنوں میں ڈال دیا
مری حیات کے گلشن میں پھول کھلتے تھے
کرن کرن کا تبسم تھا دل کی کلیوں میں
چمن چمن میں محبت کا بول بالا تھا
مری حیات کا ہر پھول تھا تر و تازہ



تمہیں تو کچھ بھی نہیں یاد دن گزرتے گئے
ہوا کے رخ کی طرح تم بدل گئیں لیکن
خلوص میرا حواداث میں بھی بدل نہ سکا



مجھے یقین ہے جب میں یہاں سے جاؤنگا
تمام عمر تڑپتی رہوگی میرے لیے
کوئی نہ بھیگتی پلکوں کو آ کے پونچھے گا
کوئی یہ تم سے نہ پوچھے گا کیوں ملول ہو تم
تمہاری نیند بھی اُڑ جائے گی مری ہی طرح
تمہارے آنسو نکل آئیں گے مری ہی طرح



عکس، خوابوں کا اُبھرتا ہے تو معدوم نہ کر
میرے مولیٰ! تو مجھے نیند سے محروم نہ کر

ہمیشہ کوئی بھی موسم ہو گنگناتی جا

مِری چہیتی، شگفتہ سی پھول جیسی بہن
تو ایک شمعِ فروزاں، سحر کی پہلی کرن

تو اپنی سادگی، شائستگی میں اپنی مثال
ازل سے فطرتِ شام و سحر کا حسن و جمال

تو اپنی زیست کا انمول اک نمونہ ہے
وفا، خلوص، محبت کا اِک قرینہ ہے

ترا جواب نہیں ہے انا پسندی میں
تو ایک مرکزی کردار ہر کہانی میں

تُو جب کبھی کسی موضوع پر الجھتی ہے
ذہین ایسی ہے کچھ اور بھی نکھرتی ہے

گلابِ تازہ سی نازک بھی نوکِ خار بھی ہے
تو سِمٹی سِمٹی ہوئی بھی ہے باوقار بھی ہے

تو ایک نرم طبیعت بھی، گرم طینت بھی
تو ایک جسمِ مروّت بھی، قہرِ اُلفت بھی

عطا کیا تجھے قدرت نے ایسا حُسن و وقار
کبھی بھی تو نہ رہے گی، رہینِ فصلِ بہار

یہاں پہ رنج و خوشی ساتھ ساتھ چلتے ہیں
چراغِ زیست کے اِس طرح یوں ہی جلتے ہیں

ہمیشہ عزم سے ہمت سے کام لیتی جا
سفینہ تیرا بھنور میں بھی ہو تو کھیتی جا

یہ حوصلہ ترا خود مستقل سہارا ہے
اگر ہے آج اندھیرا تو کل اُجالا ہے

مری عزیزہ بہن! اِس قدر اداس نہ ہو
غموں کا سایہ کبھی تیرے آس پاس نہ ہو

کوئی بھی رُت ہی تُو یونہی مسکراتی جا
ہمیشہ کوئی بھی موسم ہو گنگناتی جا



توفیق نہ ہو جب تک رشتوں کو سمجھنے کی
بھیگی ہوئی پلکوں کو مصروفِ دعا رکھنا

عیدی

حقیر تحفہ ہے، عیدی کا ہے یہ نذرانہ
سلام، دستِ حنائی سے کر کے لے جانا

ابھی تو ہاتھوں میں مہندی کا رنگ باقی ہے
مری بہن! تو مرے گھر سے پھر چلی جاتا

مرے خدا تو ہمیشہ کی روشنی کے لیے
تمام گھر میں اُجالا ہو ایسا کر جانا

نئی فضائیں تری عید ہو گی اگلے برس
کچھ اپنے حصے کی خوشبو بھی ساتھ لے جانا

●

تین پھول

(شمیم نسیم ۔ وسیم)

شمیم ! صبح کی پہلی کرن سے لپٹے ہوئے
تمام گھر میں اُجالے بکھیر دیتا ہے
نسیم ! صحنِ گلستاں میں پھول چنتے ہوئے
مہک کے فضاؤں میں پھیل جاتا ہے
وسیم ! مہکے تبسّم سے دل کے آنگن میں
کچھ اِس طرح سے اُترتا ہے مسکراتے ہوئے

ہزاروں رنگ کے ہوں پھول جیسے بکھرے ہوئے

گلابِ تازہ کی نازک سی پنکھڑی کی طرح

وسیم! نرم لبوں سے ہمیں بلاتا ہے

دلوں کے آئینہ خانوں میں جگمگاتا ہے

یہ ایسے پھول ہیں موسم کی ان پہ قید نہیں

یہ ایسے پھول ہیں ہر رُت میں مسکرائیں گے

ہمارے پڑھوں کے اعزاز کو بڑھائیں گے

حیاتِ تازہ

حیاتِ نو کی جہاں بات چل گئی ہو گی
سیاہ رات بھی کرنوں میں ڈھل گئی ہو گی

تصوّرات میں دو دل جہاں ملے ہوں گے
وہاں وفا کے کئی پھول کھِل گئے ہوں گے

شمیمِ زلفِ نگاراں بکھر گئی ہو گی
سحر کی گود میں ہر شے سنور گئی ہو گی

نسیمِ صبح کے جب ہونٹ ہل گئے ہوں گے
جبیں پہ صبح کی تازہ کنول کھلے ہوں گے

حیاتِ تازہ جہاں چوٹ کھا گئی ہو گی
قریبِ دِل کوئی آواز آ گئی ہو گی

دِلوں میں گھر گئی ہو گی مسرتوں کی حیات
نظر نظر میں رہی ہو گی جگنوؤں کی برات

فضا میں نغموں کی برسات ہو گئی ہو گی
وفا بھی شاملِ جذبات ہو گئی ہو گی

چشمِ انتظار

خوشبو کی لہر شاملِ جذبات ہو گئی
صحنِ چمن میں پھولوں کی برسات ہو گئی
یہ بھی شگفتہ موسمِ گُل کا ہی فیض ہے
بچھڑی ہوئی صبا سے ملاقات ہو گئی

ٹھہری ہوئی ہے کب سے یہاں چشمِ انتظار
مجھ کو رہا ہمیشہ محبت پہ اعتبار
اب کے برس بھی بچھڑے ہوئے دوست کیلئے
گھر جیسے لوٹ آیا ہے پھر موسمِ بہار

تو خود ہی اپنی ذات میں ہے ایک انجمن
تجھ میں ہے اب بھی اپنے قبیلے کا بانکپن
ظاہر ہے تجھ سے اب بھی وہی سرمدی وقار
اُترے نہ تیرے جسم سے پھولوں کا پیرہن

اگلے برس بھی آنا اِسی سادگی کے ساتھ
خوشبو کا اک سفر ہو تری زندگی کے ساتھ
رشتوں کی بھیڑ میں کبھی تنہا رہوں نہیں
ہر رُت میں آتے رہنا اِسی تازگی کے ساتھ

نیّر! مرا وہ دوست بھی ہے کاملِ صفات
جس کے کرم کی آس میں ہے تشنہ لبِ حیات
اُس کی ہتھیلیوں پہ بھی اشکوں کے پھول رکھ
اب کے برس بھی لوٹ نہ جائے وہ خالی ہات

ایک شاعر کا تحفہ

(نئی زندگی کے آغاز پر)

دِل کھلیں گے آج شائستہ گلابوں کی طرح
زندگی مہکی ہوئی ہے تازہ پھولوں کی طرح
خوشگوار اِس مرحلے پر زندگی کو ناز ہے
حُسنِ فطرت! واقعی تیرا عجب اعجاز ہے

ہو مبارک! زندگی اب ہو گئی ہے باوقار
عمر بھر صحنِ گلستاں میں رہے جشنِ بہار
عطر میں ڈوبی ہوئی ہے آج پھولوں کی ہنسی
ہے نگارِ آرزو پھولوں میں اب لپٹی ہوئی
چھو کے نکلے گی تمہیں ہر صبح کی پہلی کرن
رات کی زلفیں رہیں گی رات بھر سایہ فگن

ایسا نغمہ تم بنو کہ پھر بھی ہم ساز ہوں
کوئی نغمہ ہو مگر تم دونوں ہم آواز ہوں

زندگی پھولوں میں ہوگی وقت کے انعام سے
پھول اب برسا کریں گے تازگی کے نام سے

زندگی بھر کے لیے ایسے ہی کچھ حالات ہوں
تم جہاں بھی ہوں وہاں نغمات ہی نغمات ہوں

وقت کے سینے میں جب تک دھڑکنیں آباد ہوں
تم محبت کی فضاؤں میں رہو دل شاد ہوں

رات کی پلکوں پہ تارے جب تلک چمکا کریں
لوگ تم سے زندگی کی روشنی مانگا کریں

کوئی موسم ہو رہے دونوں کے ہونٹوں پر ہنسی
کوئی رُت ہو زیست میں ہو روشنی ہی روشنی

جب تلک ٹھنڈی ہوائیں نور برساتی رہیں
آرزوئیں زندگی کے ساز پر گاتی رہیں

جب تلک صحنِ گلستاں میں ہے پھولوں کا چلن
تم سے وابستہ رہے گا زندگی کا بانکپن

اِس بھری محفل میں، میں وابستۂ حالات ہوں
سب کے ہاتھوں میں ہیں تحفے میں ہی خالی ہات ہوں
سوچ میں ہوں کس قدر دشوار ہیں یہ راستے
ایک شاعر کچھ نہیں لایا تمہارے واسطے
پھر بھی یہ انمول تحفہ نظم کے اشعار ہیں
سازِ دل کی لَے یہ اب یہ تھرتھراتے تار ہیں
نذر کرتا ہوں میں نیّر اپنے فن کی آبرو
روشنی آنکھوں کی شامل اس میں ہے دل کا لہو



یہ اور بات کہ اوروں کے گھر ہوئے روشن
تمہاری بزم میں جل کر مجھے تو کچھ نہ ملا

دِل بجھ سا گیا ہے

ماں کی موت پر بیٹی کے آنسو

ہنسنے میں مزا ہے، نہ تو رونے میں مزا ہے
امّی کے گزر جانے سے دِل بجھ سا گیا ہے

اب کس لیے میں کس کے لیے جیتی رہوں گی
ہستی مری گویا کوئی جلتی سی چِتا ہے

میں عمر بھر امّی کو ترستی ہی رہوں گی
کیوں دردِ جُدائی مجھے قسمت نے دیا ہے

میں آخری لمحوں میں بہت دور تھی ماں سے
کیوں ایسا ہوا آج بھی دل پوچھ رہا ہے

اب زیست بنی ہے مری بے رنگ سی ہوکر
اب زیست میں رونے کے سوا کچھ نہ بچا ہے

پوچھا یہ کسی نے بھی نہیں کب سے دکھی ہوں
حالانکہ مرے چہرے پہ پہلے سے لکھا ہے

میں تھک گئی ہوں اتنی کہ اب چل نہ سکوں گی
جیسے کوئی کانٹا مرے تلوؤں میں چبھا ہے

سینے میں کچھ اس طرح سے میں دب سی گئی ہوں
لگتا ہے کہ یہ بھی مرے ہنسنے کی سزا ہے

●

شناسائی

کچھ اِس ادائے تبسم سے عید آئی ہے
نگارِ شہرِ غزل پھر سے مسکرائی ہے

دل و نگاہ کچھ اِس طرح مل رہے ہیں آج
چمن میں جیسے کئی پھول کھل رہے ہیں آج

جدھر بھی دیکھئے ، ماحول پُر ترنّم ہے
ہر ایک چہرۂ گُل پر نیا تبسم ہے

سلامِ شوق نے اِس طرح لی ہے انگڑائی
شگفتہ ہو گئی ، برسوں کی پھر شناسائی

کٹی ہے زندگی رشتوں کی پاسداری میں
لطیف جذبوں کی شائستہ حکمرانی میں

حیاتِ تازہ کی تصویر جگمگائی ہے
یہ کچھ اِس ادائے تبسم سے عید آئی ہے

●

سُہیل کی پہلی سالگرہ

سُہیل! میرے گھرانے کا ایسا تازہ گلاب
کہ جس کے جسم میں چندن کی تازہ خوشبو ہے
جو مسکرائے تو آنگن میں پھول مُسکائیں
فلک سے زینے سے تارے اُتر کے آ جائیں

سُہیل! میرے قبیلے کا ایسا اک مہتاب
کہ جس کی نرم سُنہری سی چاندنی ہر دم
رہے گی تازہ اُجالوں کی طرح پھیلی ہوئی
ہمارے گھر کے ہر اک گوشۂ تہی کے لیے

سہیلی! میری نظر کا ہے ایسا اک شہکار
کہ جس کے ہونٹوں سے امرت ٹپکتا رہتا ہے
ہر اک نفس میں ہر اک لمحہ روشنی کی طرح
ہر اک نفس میں ہر اک لمحہ تازگی کی طرح

مہکتے ہونٹ، تبسم نواز یہ چہرہ
نگاہ تیز، شگفتہ بدن کنول جیسا
کشیدہ ابرو، طبیعت لطافتِ گلزار

دراز پلکیں، ترے عطر بیز یہ گیسو
تمام گھر کے لیے ایک ایسا تحفہ ہیں
کہ جن کو چھو کے نسیمِ سحر سنور جائے
کہ جس کو دیکھ کے ساری تھکن اتر جائے

"فضیل ہو کہ وہ راحیل ہو کہ فیصل ہو
یہ پھول بھی تو اُسی گلستاں کی زینت ہیں
کہ جن کی خوشبو سے سارا چمن مہکتا ہے
کہ جن کے چہرے پہ معصومیت دمکتی ہے

مری دُعاؤں کا حاصل یہی ہے اُن کے لیے
کہ اُن کے اگلے سفر میں تھکن کا ذکر نہ ہو
کہ اُن کو سلسلۂ روز و شب کی فکر نہ ہو



خلوصِ عشق کو احساس میں سموتے ہیں
دِلوں کے رشتے بہت ہی عزیز ہوتے ہیں

منزل کہاں ملے گی تمہیں

قصور وار نہیں کوئی بھی تمہارے سوا
قدم تمہارے اُٹھے ہیں
پلٹ نہیں سکتے



نہ کوئی راہ نما، خضرِ راہ کچھ بھی نہیں
تم آج خود ہی مسافر ہو
خود ہی منزل ہو





تمہیں یہ زعم کہ تم طے کرو گی راہوں کو
طویل راہوں، کٹھن منزلوں سے گزرو گی



خدا ہی خیر کرے کون جانے کل کیا ہو
مگر یہ دل مرا کہتا ہے تم نہ جانے کل
کدھر سے گزرو گی ؟
منزل کہاں ملے گی تمہیں



فردوس بہ داماں سہی یہ سارے محلے
کب تیری گلی چھوڑ کے جانے کے لیے ہے

تمہارے پاس بچا کیا ہے خودکشی کے لیے

مشاورت سے کسی کی بھی فائدہ نہ ہوا
وہی کروگی
جسے تم نے ٹھیک سمجھا ہے



ہزاروں حیلے
ہزاروں فریب میں گھِر کر
تم ایک پل بھی تو زندہ نہ رہ سکوگی وہاں
تم ایک ایسی ہی کھائی میں گرنے والی ہو
جہاں سے بچ کے نکلنے کی کوئی راہ نہیں



تم اپنی آپ تباہی کی ذمہ دار بھی ہو
تمہارے پاس بچا کیا ہے خودکشی کے لیے
تمہاری ذات ہی کافی ہے دشمنی کے لیے



دُور بھی ہو پاس بھی ہو

عید کا چاند ہو تم، دُور بھی ہو پاس بھی ہو
چشمِ پُرنم بھی ہو مہکا ہوا احساس بھی ہو

جب نہ آہٹ ہے، نہ ہلچل ہے نہ پُرکیف فضا
دل کے دروازے پہ کیوں آتی ہے دستک کی صدا

کون آبیٹھا ہے چپکے سے رگِ جاں کے قریب
دل کے آنگن میں اُتر آیا ہے کیوں عکسِ حبیب

ہے سفر جاری، خیالوں کی گزرگاہوں میں
آرزو دید کی لوٹ آئی صنم خانوں میں

عید کا دن بھی گزر جائے گا خوابوں کی طرح
جانے کب آؤ گے تم تازہ اجالوں کی طرح

عید کا چاند ہو تم، دور بھی ہو پاس بھی ہو
چشمِ پُرنم بھی ہو مہکا ہوا احساس بھی ہو



تغیر سہی، رسم نبھانے کے لیے آ
اے دوست! مرے گھر کو بسانے کے لیے آ

مے خانے تلک جانے کی ہمت نہیں ہوتی
پیاسا ہوں تو احساس دلانے کے لیے آ

دب جاؤں نہ پھر بوجھ تلے اپنی انا کے
روٹھا ہوں بہت دن سے منانے کے لیے آ

آدھی روٹی

زمین اپنی کبھی چھوڑ کر تو مت جاؤ
یہ آدھی روٹی
ضمانت، سکونِ دل کی ہے
خدا کا شکر بجا لاؤ جو بھی مل جائے

•

نئی زمین تمہیں کیا قبول کر لے گی؟
یہ سوچ لو کہ وہاں کیا سکون پاؤ گی

•

تم اپنے شہر جو لوٹو گی بے سروساماں
تھکے ہوئے کسی ٹوٹے ہوئے بدن کی طرح
یہاں یہ دیکھنا سب کچھ بدل چکا ہوگا
یہ آدھی روٹی تمہیں جو یہاں میسّر ہے
بہت غنیمت ہے
زمین اپنی کبھی چھوڑ کر تو مت جاؤ

•

کہکشاں

کہکشاں ہو گلستاں ہو یا کہ تیلم زرفشاں
گھر کی ساری نعمتوں سے بڑھ کے ہیں عظمت نشاں

ایک ہی صحنِ گلستاں کے یہ تازہ پھول ہیں
کوئی بھی موسم ہو یہ سب کے لیے مقبول ہیں

ان کے چہروں سے ٹپکتی ہے ہمیشہ چاندنی
ان کے چہروں سے عیاں صبحِ ازل کی روشنی

اے خدا تجھ سے جو مانگوں تو یہی مانگوں گا میں
ان کی آنکھوں سے ہمیشہ روشنی چھنتی رہے
ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ پھول ہی کھلتے رہیں

اِن کی سانسوں سے مہک آتی رہے شام و سحر
اِن کی خوشبو سے مہکتے ہی رہیں یہ صبح و شام

گفتگو سے اِن کی پھولوں کا بدن مہکا کرے
اِن کے قدموں سے نیا ہر راستہ مہکا کرے

اِن کے جینے کی ادا اسلاف کی تصویر ہو
زندگی اِن کی سنہرے خواب کی تعبیر ہو

پھیل جائے اِن کی خوشبو سلسلہ در سلسلہ
زندگی چلتی رہے یوں قافلہ در قافلہ

عمر بھر مہکا کریں یہ بھی گُلِ تر کی طرح
زندگی روشن ہو اِن کی ماہ و اختر کی طرح

اِن سے ہٹ کر اک عظیم خوش نظر بھی پاس ہے
زندگی کا ایک لمحہ جیسے اب راس ہے

دِلوں کے آئینے دیکھو سنبھال کر رکھنا

یہ جانتے ہوئے بھی میں ہوں ایک ٹیڈہ تر
شکستہ دل، دلِ افسردہ، غم زدہ شاعر
یہ راکھی، تم نے مجھے آج کس لیے باندھی



دھنک کے پھولوں میں لپٹی ہوئی عزیز بہن!
تمھیں تو یاد نہ ہوگا مجھے ہے یاد ابھی
یہ راکھی آج سے پہلے بھی تم نے باندھی تھی
تصورات میں خوابوں کی نرم چھاؤں میں



یہ راکھی آج سے پہلے بھی تم نے باندھی تھی

تصوّرات میں خوابوں کی نرم چھاؤں میں



یہ راکھی آج سے پہلے بھی تم نے باندھی تھی
بہن کو بھائی نے جب پہلی بار دیکھا تھا
تم ایک اجنبی لڑکی تھیں اور کچھ بھی نہ تھیں
وہ سیدھی سادی، شگفتہ سی، بھولی بھالی سی



وہ پہلی راکھی جو نازک دلوں کی ضامن تھی
بکھر چکی تھی فضاؤں میں رنگ و بو کی طرح
مگر دلوں کے کنول آج تک بھی تازہ ہیں



وفا پرست، وفا آشنا، عزیز بہن
تم اتنا ٹوٹ کے چاہو گی یہ گماں بھی نہ تھا
رہِ حیات میں کتنے ہی لوگ ملتے ہیں

مگر خلوص، وفا، پیار کی ضمانت کیا



کسی کے ہاتھ پہ جب تم نے راکھی باندھی تھی
رُکی تھی وقت کی گردش بھی ایک پل کے لیے
جھکی ہوئی تھیں نگاہیں بہ صد خلوص و وفا
ہزاروں نیّتیں تھیں بھائی بہن کے ہونٹوں پر
تمام عمر یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں گے



تمہارے پیار کی میں دل سے قدر کرتا ہوں
مگر میں سوچ میں رہتا ہوں کب تلک ہم تم
حوادثاتِ زمانہ کے ساتھ ٹھہریں گے
کبھی نہ بھولے سے بھی ان کو راہ پر رکھنا
دلوں کے آئینے دیکھو! سنبھال کر رکھنا



کاغذی پیرہن

دلِ مجبور کا احساس تجھے ہو کہ نہ ہو
تیری محفل سے کہیں اور چلا جاؤں گا
اب یہ سوچا ہے ترے پاس نہ آؤں گا کبھی
یہ مری نظمیں، یہ غزلیں ہی سہارا ہوں گی
ان کے ہر لفظ سے آئے گی وفا کی خوشبو
ان کے ہر لفظ میں ہے جذبۂ مرا خونِ جگر
ایک ایک لفظ میں ہیں، میری وفائیں شامل
ایک ایک لفظ "محبت کا امیں ہے میری
میرے ہر شعر میں ہے تیرے ہی لہجے کا گداز
میرے ہر شعر میں ہے عارض و رخسار کا رنگ
گھُل گئی ہے مرے شعروں میں لہو کی سرخی
میرے ہر شعر میں ہے تیری نگاہوں کا خمار

صندلی جسم کی خوشبو ہے مری غزلوں میں
میری نظموں میں تری بھیگتی پلکوں کی نمی



اب نگاہوں میں مرے دل میں رہا کوئی نہیں
میرے شعروں میں کہیں تیرے سوا کوئی نہیں
رشتۂ مہر و وفا توڑ نہ دینا ساتھی
ویسے میں اشکوں سے بڑھ کر تجھے دیتا کیا تھا
چند اشکوں کے سوا پاس مرے کچھ بھی نہیں
ہاں یہ کچھ غزلیں، یہ نظمیں ہیں مگر اے ساتھی!



جانتا ہوں مری غزلوں سے محبت ہے تجھے
میرے احساس، مری فکر کا خالق تو ہے
تیری ہی دین ہے تیری ہی عطا ہے لیکن
سوچتا رہتا ہوں تجھ کو کہیں رسوا نہ کریں
کیوں ترے نام سے منسوب کیا تھا میں نے



●

میرا کیا میں تو ہوں بدنام بھی آوارہ بھی
مجھ کو یہ فکر ہے اے دوست! تو رسوا ہوگا
میرے احساس کا گر خون ہو کچھ فکر نہ کر
میری تخئیل بھی جل جائے تو احساس نہ کر
یہ مرے شعر، مری نظمیں، یہ غزلیں میری
یہ مرے گیت یہ اوراقِ محبت میرے
چند بھیگی ہوئی راتوں میں سلگتے سے پیام
تجھ سے وابستہ ہیں کچھ ایسی سزا دے ان کو
آج خود اپنے ہی ہاتھوں سے جلا دے ان کو

●

مجھ کو تو صرف حُسنِ نظر کی تلاش ہے
تاریک راستوں میں اُجالا ہوا تو ہے

سائبان

آخری دھڑکن

ماں کے قدموں میں پڑے رہنے کی خواہش تھی۔ مجھے
میری خواہش تھی کہ خدمت ماں کی میں کرتا رہوں
زندگی کے آخری لمحوں تلک
لیکن ایسی خوش نصیبی میرے حصے میں نہ تھی

●

ماں نہیں ہے پھر بھی لگتا ہے کہ وہ ہے آس پاس
ماں کی خوشبو گھر کے ہر گوشے میں ہے مہکی ہوئی

●

●

ماں کے اِک ہونے سے گھر میں کس قدر تھیں برکتیں
ماں کے اِک ہونے سے سارا گھر ہرا شاداب تھا
ماں کے اِک ہونے سے گھر کا گوشہ گوشہ
کس قدر آباد تھا

●

گاؤں اُس کی زندگی تھی اُس کی خوشیاں اُس کا غم
اپنا گاؤں اپنا آنگن چھوڑ کر جاتی کہاں
اپنے پُرکھوں کی زمیں سے اُس کو بے حد پیار تھا

●

گاؤں میں اور شہر میں تھا ایک لمبا فاصلہ
جانے کیوں اک دن وہ اپنا گاؤں گھر سب چھوڑ کر
شہر آئی مجھ سے ملنے کے لیے
لیکن اُس کے دِل میں تھا اک خوف سا چھایا ہوا
اپنی مٹی، اپنے گھر سے دُور رہ کر بجھ نہ جائے
گاؤں کے اور شہر کے وہ درمیاں میں رہ نہ جائے
راستے کے درمیاں وہ کھو نہ جائے

●

اُس کو نیند آتی تھی گہری گاؤں کے ماحول میں
شہر آنے سے ہمیشہ ہی وہ کتراتی رہی
زندگی کے آخری لمحوں تلک
دن کو ہو یا رات کو
وردِ یا اللہ کا کرتی رہی

•

ایک دن ایسا بھی آیا، صبح دم
ماں کی حالت رفتہ رفتہ پھر بگڑ جانے لگی
سب کو اک معلوم خدشے کا گماں ہونے لگا
ماں کے دل کی دھڑکنیں رکنے لگیں
ہاتھ پاؤں ماں کے ٹھنڈے ہو گئے
آنکھیں پتھرانے لگیں
اِس طرح یہ گاؤں کا اور شہر کا
درمیانی فاصلہ کم ہو گیا
ماں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو کر رہ گئی

•

نجم السحر

میرا اجالا! مری روشنی! مری ذیشان



نسیم صبح سے پہلے ہی گھر کے آنگن میں
نکل کے کمرے سے مہکے ہوئے بدن کی طرح
شگفتہ ہونٹوں کی کلیاں بکھیر دیتی ہے
مہک مہک کے ہر اک فرد کو جگاتی ہے
چمک چمک کے در و بام کو سجاتی ہے



کبھی تو نجم سحر بن کے کہکشاں کے لیے

مہکتی صبح کا پیغام لے کے آتی ہے
نئے اُجالوں کا انعام لے کے آتی ہے



مرا اُجالا! مری روشنی! مری ذیشان!
کبھی تو پھول کی مانند عارضوں کی طرح
کبھی تو چاندنی راتوں کی تازگی کی طرح
کبھی تو موسمِ گُل کی شگفتگی کی طرح
تمام گھر کے مقدر کو جگمگاتی ہے
تمام گھر کے لیے صبح لے کے آتی ہے



مرا اجالا! مری روشنی! مری ذیشان!
ہر ایک کمرے میں گھر کے ترا چلا جانا
کبھی لڑھکنا، سنبھلنا لڑھک کے پھر چلنا

ہماری سانسوں کی رفتار کو بڑھاتا ہے
غریب خانے کا ماحول جگمگاتا ہے



مرا اُجالا! مری روشنی! مری ذیشان!
سنائی دیتی ہے جس وقت فون کی گھنٹی
تو دَوڑی جاتی ہے پھوپی سے بات کرنے کو



ادائے خاص سے تُو بات کرنے لگتی ہے
کچھ اِس طرح ترے ہونٹوں سے پھول جھڑتے ہیں
کہ جیسے سارا گلستاں ہو تیرے دامن میں



●

مرا اُجالا! مری روشنی! مری ذیشان!
تو جب بھی چپکے سے زینت کے پاس جاتی ہے
کتابیں، کاپیاں، پنسل اٹھا کے لاتی ہے
لکیریں کھینچتی رہتی ہے کورے کاغذ پر
زبان دیتی ہے بے نام سی لکیروں کو

●

مرا اُجالا مری روشنی مری ذیشان!
ترے وجود نے خوشیاں سمیٹ لائی ہیں
ترے وجود نے شمعیں کئی جلائی ہیں
ترے وجود سے گھر میں مرے اُجالا ہے
ترے وجود سے خوشیوں کا بول بالا ہے

●

•

خدائے پاک سے اتنی ہی التجا ہے مری
تو زندگی کے سفر میں شگفتہ حال رہے
حیات میں نہ ادھورا کوئی سوال رہے
اسی طرح تو سدا یوں ہی گنگناتی رہے
تو ایک شمع کی مانند جگمگاتی رہے
تجھے دکھائی نہ دے کچھ بھی روشنی کے سوا
نظر نہ آئے تجھے کچھ بھی تازگی کے سوا

•

میں کس کے واسطے خود کو سمیٹ کر رکھوں
بجز تمہارے مرے گھر میں کون اپنا تھا

فیصلہ تم نے ٹھیک کیا تھا

کتنا تمہیں سمجھایا میں نے
تم نے نہ مانا
ترکِ وطن تو ضد تھی تمہاری
کتنا تمہیں سمجھایا میں نے
تم نے نہ مانا

•

جب میں لوٹا شہر تمہارے
بکھرا ہوا تھا گھر کا ساماں
ساری کتابیں بکھری پڑی تھیں
سب کچھ کتنی جلدی ہوا تھا
تم خود سوچو

•

●

تم سے سب کو ہمدردی تھی
تم کو گلہ تھا سب سے لیکن
تم نے نہ مانا
فیصلہ تم نے ٹھیک کیا تھا

●

تم کو ایسا کرنا ہی تھا
ہم سب مجرم
کچھ بھی تو ہم کر نہیں پائے

●

اِتنے برس لمحوں میں گزرے
ترکِ وطن تو حق تھا تمہارا
زندگی تم پر بوجھ بنی تھی
فیصلہ تم نے ٹھیک کیا تھا

●

اب تک بھی انگلیوں سے بکھرے اوراق پریشاں ہیں

کیوں دل کے زخم نیم تر پھر ہو گئے ہیں تازہ
کیوں ٹیس میرے دل میں پہلے سے بھی سوا ہے
کیوں درد جاگ اٹھا ہے پھر آج میرے دل میں
لمحاتِ زر فشاں کیوں پھر یاد آرہے ہیں
کیوں پیاس میرے لب کی پھر آج بڑھ رہی ہے
کیوں میرا دامن دل پھر بھیگنے لگا ہے
کیوں آج میری آنکھیں اتنی برس رہی ہیں
دامن میں میرے اتنے کیوں پھول کھل رہے ہیں
کیا بات ہے کہ ہر سو چھائی ہے اک اداسی
کیا بات ہے نہ جانے خاموش ہیں فضائیں
کیا بات ہے نہ جانے مایوس زندگی ہے
کیوں راہِ زندگی میں ہلکی سی روشنی ہے



جب آرزو کی شمعیں جلتی ہیں بے بسی میں
نزدیکِ آشیانہ اُٹھتا ہے اک دھواں سا
جب بے قرار دل کو ہوتی ہے ایک اُلجھن
ماحول سارا مجھ کو لگتا ہے اجنبی سا
مانوس زندگی میں بڑھتی ہے جب اُداسی
پہچانی صورتیں بھی لگتی ہیں اجنبی سی
دل چاہتا ہے میرا ایسے میں وہ سہارا
اشکوں سے میرے دل کے برسوں کے زخم دھوئے
پھر زخمِ زندگی پر رکھے وہ تازہ مرہم
تا عمر شمعِ دل کی پھر روشنی نہ ہو کم



یہ علم و فن کا مرکز اِک فیضِ بے کراں ہے
ہر ذرہ اِس جگہ کا پھولوں میں بس گیا ہے

مانوس کس قدر تھا میں اِس کی روشنی سے
کچھ اَن کہی سی باتیں وابستہ تھیں کسی سے
جیسے ہی میرے پاؤں پڑتے تھے اُس کی جانب
اک نغمہ پھوٹتا تھا خاموش دھڑکنوں سے
بے تاب میری نظریں پھر ڈھونڈتیں کسی کو
دیوانہ وار پھرتا رہتا ہوں بے خودی میں



مایوس ہوتا ہوں میں جب اُس کی جستجو میں
میں خود کو ڈھونڈتا ہوں تسکینِ دل کی خاطر
رُکتے ہیں میرے پاؤں ہم جس جگہ ملے تھے
بہتے ہیں میرے آنسو جس جا پہ وہ بہے تھے
دو دل جہاں ملے تھے گلشن کی کیاریوں میں
بے لوث پیار جس جا انگڑائی لے رہا تھا
جس جا چراغِ اُلفت خاموش جل رہا تھا
ہر ذرہ جس جگہ کا سورج اُگل رہا تھا

تازہ ہوں یہ بس جا دو پھول کھل رہے تھے
اب تک بھی اُس جگہ پر خوشبو بسی ہوئی ہے
پھولوں کا نام لے کر شبنم بھی رو رہی ہے



کتنا اُداس ہے اب یہ علم و فن کا مرکز
الماریاں وہی ہیں ان میں وہی کتابیں
جس وقت بے خودی میں چھوتا ہوں میں کتابیں
الفاظ سارے مل کر کرتے ہیں طنز مجھ پر
ایک ایک جملہ ساکت ایک ایک لفظ چپ ہے
گویا کہ آج وہ سب گونگے بنے ہوئے ہیں
جس وقت میں نے کھولیں بکھری ہوئی کتابیں
بوئے وفا تھی اُن میں الفاظ تھے معطر
اب تک بھی خشک آنسو ہم شکلِ کہکشاں ہیں
اب تک بھی انگلیوں کے اوراق پر نشاں ہیں



ایک اور راکھی

عزیز جان!
وفا آشنا چہیتی بہن!
بہت ہی پیار سے راکھی جو تم نے بھیجی تھی
بعدِ خلوص وہ راکھی
دیارِ دل میں اُجالوں کا اک پیام لیے
بشکلِ کاہکشاں
نور بن کے چمکی ہے

●

لفافہ کھول کے راکھی کو میں نے جوں ہی چھوا
تمہارے پھول سے ہاتھوں کی انگلیوں کے نشاں

اُبھر رہے تھے کہیں تو وہ زخمِ دل کی طرح
کہیں وہ رنگِ وفا کی طرح نمایاں تھے

●

ہر ایک تار ہے راکھی کا جگمگاتا دیا
ہر ایک تار درخشاں ہے زندگی کی طرح
کہ جیسے بھیگتی پلکوں پہ جگنوؤں کی برات

●

وہ نرم نرم ملائم وہ مخملیں راکھی
دبیز اتنی کہ
وہ خود ہو ایک تازہ گلاب
مہک رہی ہے فضاؤں میں بوئے گُل کی طرح
نگینے اس پہ جڑے ہیں
خلوص و مہر کے پاکیزہ آنسوؤں کی طرح

وہ لانبی ڈور جو راکھی کی نبض پہ جیسے
جھکی ہوئی ہے بنفشی کی ڈالیوں کی طرح



اچانک ایسے میں اک روشنی کی نرم کرن
فضا میں لہرائی
کسی کا چاندنی جیسا حسین ہاتھ بڑھا
وہ ہاتھ بڑھتا گیا اور پھر قریب آیا
وہ ہاتھ پھول سی نازک سی پنکھڑی کی طرح
سحر سے جاگ کے کھلے



وہ ہاتھ اتنے مقدس ہیں اتنے پاکیزہ
گمان ہوتا ہے جیسے دھلے ہوں شبنم سے

●

بہن کے کانپتے ہاتھوں میں ایسی راکھی ہے
امین ہے جو مقدس شگفتہ رشتوں کی
وہ اپنے ہاتھ بڑھاتی رہی ہے چپکے سے
فضائیں جھوم اٹھیں
عرش گے جھروکوں سے
بہت سے پھول بکھرنے لگے تصوّر میں
پھر اس کے بعد نگاہیں ملیں، نگاہوں سے
کہ جیسے آنکھوں میں صدیوں کی پیاس ہو پنہاں

●

محوِ گفتگو تم ہو

نظر کی پیاس، مرے دل کی آبرو تم ہو
ہزاروں میل سے بھی محوِ گفتگو تم ہو

تمہاری یادوں کی تصویر روز بنتی ہے
حسیں خیال ہو فطرت سے خوبرو تم ہو

اگرچہ میں بھی اکیلا ہوں ایک مدت سے
مگر یہ ہوتا ہے محسوس چار سُو تم ہو

وفورِ شوق میں مجھ کو تو کچھ بھی یاد نہیں
نہ جانے کتنے ہی لمحوں کی جستجو تم ہو

ہزاروں میل سہی، دُور پھر بھی لگتا ہے
مرے ہی سامنے بیٹھی ہو روبرو تم ہو

کہاں ہے حُسن وہ قوسِ قزح کے رنگوں میں
مرے چمن کا گُلِ تر ہو رنگ و بو تم ہو

جہاں بھی تم رہو پھولوں کا تذکرہ ہی رہے
شگفتہ، تازہ گلستاں کی آرزو تم ہو

وطن سے دُور بھی نغموں کی پیاس بجھتی ہے
مری صدا مرے لہجے کی آبرو تم ہو



آستانے سے اُٹھا کر دربدر جس نے کیا
ایسے دروازے کو اک دن کھٹکھٹانا ہے مجھے

رخصتی

صرف ہاں کہنے سے ہی سب کچھ بدل جاتا ہے کیا!

میرے میکے کی زمیں ! ہے ایک ہی شب درمیاں
کتنے برسوں کی رفاقت ختم ہو جانے کو ہے
صبح کل کی، اجنبی بن جائے گی میرے لیے
ایک ہی شب میں ہوئی جاتی ہوں کیوں میں اجنبی



جو درو دیوار اب اپنا سمجھتے ہیں مجھے
وہ درو دیوار کل بے گانہ سمجھیں گے مجھے
گھر کا آنگن مخملیں بستر سے کچھ کم تو نہیں
کل اِس آنگن میں نہ جانے کون رکھے گا قدم

سے لکھنے پڑھنے کا یہ کمرہ یہ کتابیں، کاپیاں
سب کے سب خاموش ہو جائیں گے کل میرے لیے



صرف ہاں کہنے سے ہی سب کچھ بدل جاتا ہے کیا
کتنے برسوں کی مسافت ایک پل میں طے ہوئی
صرف ہاں کہنے سے اوراقِ حیات جلد ہی
اس قدر تیزی سے اُلٹیں گے کسے معلوم تھا



اپنے میکے سے بظاہر جا رہی ہوں میں مگر
ماں کے آنسو جگنوؤں کی طرح میرے ساتھ ہیں
باپ کے افسردہ دل کی دھڑکنیں، بہنوں کا پیار
بھائیوں کی دائمی چاہت بھی میرے ساتھ ہے



●

جیسے ہی سسرال میں پہلا قدم رکھوں گی میں
ماں کے آنسو پھول بن جائیں گے اِس گھر کے لیے
جیسے ہی سسرال میں پہلا قدم رکھوں گی میں
گوشے گوشے، چپّے چپّے پر بہ صد عجز و نیاز
باپ نے جتنی دعائیں دی ہیں پھیلاؤں گی میں
پھر مرا گھر اک شگفتہ گلستاں بن جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے فیضِ رواں بن جائے گا

●

پرایا رہ کے بھی اپنا ہے کیا کہا جائے
اُسی سے گھر کا اُجالا ہے کیا کیا جائے

مجھے عزیز ہے ہر لمحہ اُس کی دل جوئی
وہ سب کو چھوڑ کے آیا ہے کیا کیا جائے

میرا ہاسٹل میرا کمرہ

(تین لڑکیوں کی فرمائش پر)

میں سہمی سہمی سی جب پہلی بار آئی تھی
سمٹ گئی تھی میں جیسے نئی دُلہن کی طرح
یہاں کے سود و زیاں کیا ہیں کچھ نہ تھا معلوم
ہزاروں وسوسے دل میں تھے ذہن الجھا ہوا
ہر ایک شئے نظر آتی تھی اجنبی مجھ کو



مجھے خبر بھی نہ تھی کون کس کی دشمن ہے
مجھے خبر بھی نہ تھی کون دوست ہے کس کی

ہر ایک لمحہ، کئی بار دل دھڑکتا تھا
میں اپنے آپ سے گھبراتی لڑکھڑاتی تھی
کسی سے ملنے سے پہلے یہ سوچ لیتی تھی
کہ اِس کی دوستی کب تک رہے گی میرے لیے
یہ سوچتی کہ یہاں کون کس کی ساتھی ہے



ہر ایک لڑکی پرائی ہے دل یہ کہتا تھا
ہمیشہ مجھ کو جدائی کا ڈر سا رہتا تھا



کسی طرح ہی سہی دن گزرتے جاتے تھے
مگر پہاڑ سی راتیں کبھی نہ کٹتی تھیں
کبھی تو رات کا سناٹا ڈسنے لگتا تھا
کبھی ڈراؤنے خوابوں سے دِل دھڑکتا تھا

کبھی اکیلے میں قدموں کی چاپ سنتی تھی
کبھی تو آتی تھی آواز مجھ کو دستک کی
کبھی یہ خوف کہ تنہائی کے تسلسل سے
کہیں میں اپنی ہی آواز کو نہ کھو بیٹھوں
کہیں نہ زیست کی رعنائیوں کو رو بیٹھوں



میں ہاسٹل میں تو رہتی مگر خیال مرا
سفر میں رہتا کہیں گاؤں کی فضاؤں میں
سفر میں رہتا نئی روشنی کی راہوں میں
اسی طرح سے کئی اور دن گزرتے گئے
میں رفتہ رفتہ یہاں کی نئی فضاؤں سے
خود اپنے آپ کو وابستہ کرتی جاتی تھی



●

وہ لڑکیاں جو مجھے اجنبی سی لگتی تھیں
میں اُن کو اور بھی نزدیک اپنے پانے لگی
وہ لڑکیاں ہیں جنھیں دیکھ کر بکھرتی تھی
وہ لڑکیاں مجھے اکثر سمیٹ لیتی ہیں
وہ لڑکیاں کہ نہ تھا جن سے کوئی رشتہ میرا
وہ لڑکیاں نظر آئیں مرے قبیلے کی
وہ لڑکیاں جو بہن بھائی چھوڑ آئی ہیں
وہ لڑکیاں ہوئیں محسوس اپنے ہی گھر کی
وہ لڑکیاں جو تکلم سے بھی گریزاں تھیں
وہ لڑکیاں مرے کندھے سے لگ کے بیٹھ گئیں
وہ لڑکیاں جو سرِ شام بجھتی جاتی تھیں
ہر اک رات سلیقے سے جگمگانے لگیں
وہ لڑکیاں جنھیں وِرثوں کے غم کا پاس نہ تھا
سرہانے جلتے رہتی تھیں رات بھر میرے
جو لڑکیاں کبھی دامن بچا کے چلتی تھیں

وہ آج بانہوں میں میری سمٹتی جاتی ہیں
وہ لڑکیاں جو کبھی راستہ بدلتی تھیں
وہ آج میرے ہی نقشِ قدم پہ چلتی ہیں
اسی طرح سے کئی اور دن گزرتے گئے
یہ کمرہ میری حفاظت کا جیسے ضامن ہو
ہمیشہ میری ہی مرضی سے کھلتا رہتا ہے
ہمیشہ میری ہی مرضی سے بند ہوتا ہے
رفیق ہی نہیں یہ میرا ہم زباں بھی ہے
یہ کمرہ میری رفاقت کا ترجماں بھی ہے



یہاں پہ میں نے کئی قہقہے بکھیرے ہیں
یہاں پہ میں نے بہائے ہیں کتنے ہی آنسو
یہیں پہ دل کے کئی زخم مسکرائے ہیں



•

یہ جانتا ہے کہ میں کس سے پیار کرتی ہوں
یہ جانتا ہے کہ میں کس لیے سنورتی ہوں
یہ کمرہ جانتا ہے رات رات بھر تنہا
میں کس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہوں
شگفتگی مرے چہرے کی اس سے ظاہر ہے
وہ جانتا ہے کہ اشکوں کی کتنی قیمت ہے
وہ جانتا ہے کہ غم میرا کس کی دولت ہے

•

یہ آئینہ ہے مرے صبح و شام کا ساتھی
یہ رازداں ہے مرا، بھوک پیاس کا مونس
بہت سی ہچکیاں ہونٹوں سے اسکی ہیں مانوس
بہت سی دھڑکنیں ہیں اس کے دل سے لپٹی ہوئی

•



یہ کمرہ جانتا ہے جب یہاں سے جاؤں گی
کبھی جو یاد ستائے تو لوٹ آؤں گی
مگر یہ خواب دھند لکا ہے بے بسی کی طرح



اِسی طرح سے وفاؤں کا فیصلہ ہو گا
اِسی طرح سے کوئی مل کے پھر جُدا ہو گا



ابھی تو میں ہوں یہاں جب یہاں سے جاؤنگی
یہ کمرہ مجھ کو بہت دیر تک رُلائے گا
قدم بڑھانا بھی چاہوں تو ہاتھ پکڑے گا
یہ کمرہ پاؤں کی زنجیر بن کے روکے گا



کسی طرح ہی سہی خود پہ جبر کرتے ہوئے
اٹھے گی میری بھی اک آخری نظر اُن پر
سلام کرنے جو ہیں ہاسٹل میں اب بھی مقیم
سلام کرنے انھیں جو ہیں مثلِ بادِ نسیم



میں آج جاؤں گی کل کوئی اور آئے گی
مری طرح وہ نئے صبح و شام لائے گی



جو جا چکا ہے وہ بارِ دگر نہیں آیا
تمہارے بعد کوئی میرے گھر نہیں آیا

یوم جمہوریہ ہند

(اس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی)

جشنِ آزادی کا پرچم ہاتھ میں تھامے ہوئے
ہم رواداری کی قسمیں رات دن کھاتے رہے
آئینہ خانوں کی زینت کو بڑھانے کے لیے
راستے کے پتھروں سے روز ٹکراتے رہے
اِس خیالِ خام میں سر جوڑ کر بیٹھے رہے
رائیگاں ہرگز نہ جائے گا شہیدوں کا لہو
پھول بن کر —
کہکشاں بن کر زمیں کی گود سے اُبھرے گا وہ
لیکن ایسی خوش خیالی کا بھرم بھی ٹوٹ کر بکھرا
خزاں کے خشک پتوں کی طرح

جن چراغوں میں شہیدوں کا لہو جلتا رہا
آسماں کو چھو رہی تھیں اُن چراغوں کی لویں
پھر اندھیروں کے قدم سوئے چمن بڑھنے لگے
رفتہ رفتہ روشنی مدھم ہوئی

اپنے گلشن میں چلی اک تازہ ہوا آئی تو تھی
لیکن اُس خوشبو سے کتنے گھر معطر ہو گئے
شمع آزادی کی لو سے کتنے گھر روشن ہوئے
زندگی سے گفتگو کی آرزو ہم کو بھی تھی
یوں بھی ساری رات آنکھوں میں کٹی
صبح آزادی
اُجالوں کی ضمانت لے کے آئی تھی مگر
اِس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

روشنی سے رشتہ باہم تو ہے اپنا مگر
پھر بھی ڈر ہے یہ اندھیروں میں نہ بٹ جائے کہیں
پتیوں سے پھول کے تا حق نہ کٹ جائے کہیں

●

کون قاتل ہے؟

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کون قاتل ہے
بھروسہ کس پہ کریں سب ہی ایک جیسے ہیں
یہاں پہ کون مسیحا ہے کون قاتل ہے
یہ کس کا خون ہے رنگت تو ایک جیسی ہے
یہ کس کا خون ٹپکتا ہے بند گلیوں میں
لہو یہ کس کا ہے معروف شاہراہوں پر
بنامِ فرقہ پرستی، بنامِ نسل کُشی
نہ جانے اور کہاں تک یہ خون ٹپکے گا
نہ جانے اور کہاں تک یہ زہر پھیلے گا

یہ زہر پھیل رہا ہے ہر ایک محفل میں
ہر ایک گاؤں ہر ایک شہر میں ہیں ایسے لوگ

دل و دماغ ہیں جن کے فساد کی زد میں
یہ آگ، فرقہ پرستی کی سرد کب ہوگی
یہ آگ وہ ہے جلانا ہی جس کا مسلک ہے
جلا رہی ہے جو صدیوں پرانی تہذیبیں
جلا رہی ہے جو پیراہنِ خلوص و وفا
یہاں پہ ختم ہے انسانیت، روا داری
یہ زخم وہ ہے جو ناسور بننے والا ہے
یہ آگ کون بجھائے گا کس کو کیا معلوم

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کون قاتل ہے
یہ وہ فضا ہے جو مسموم آندھیوں کی طرح
مہکتے جھومتے کھیتوں میں پھیل جاتی ہے
یہ وہ فضا ہے جو محکوم زندگی کی طرح
بہ جبر ہر نئی چوکھٹ پہ سر جھکاتی ہے
یہ وہ فضا ہے، مشینوں میں کارخانوں میں
بہت سے کام کے لوگوں کو زہر دیتی ہے
یہ وہ فضا ہے کسانوں کا خون پی پی کر

غریب لوگوں کو فاقوں کی نذر کرتی ہے
یہ وہ فضا ہے جو ہم رشتۂ سلاسل ہے
ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کون قاتل ہے

کہیں اس آگ کے پیچھے وہ مہرباں تو نہیں
جو بزمِ شہر میں چراغوں کی لو بڑھاتے ہیں
کہیں اس آگ کے پیچھے وہ مہرباں تو نہیں
بنامِ امن و وفا جو لہو بہاتے ہیں
خلوص، دوستی اب ایک ربطِ باطل ہے
ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کون قاتل ہے

یہ لوگ وہ ہیں جو راون مزاج رکھتے ہیں
نگاہیں جن کی ہیں سیتا کے پاک دامن پر
یہ لوگ وہ ہیں جو ہندوستاں کے سینے میں
بنامِ دوستی خنجر چبھونے والے ہیں
معاشرے کی رگوں میں ہی زہر شامل ہے

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کون قاتل ہے

یہ کیا ستم ہے کہ معصوم بے گناہوں کے
شگفتہ ہونٹوں پہ رقصاں ہیں خون کی بوندیں
یہ کیا ستم ہے کہ تہذیب کے دوراہے پر
دلوں سے عورتوں بوڑھوں کے خوں ٹپکتا ہے
یہ کیا ستم ہے کہ اپنے ہی صحنِ گلشن میں
بنامِ جشنِ چراغاں برات جلتی ہے
یہ کیسی ریت ہے سہرے کے پھول جلتے ہیں
حنائی ہاتھ سلگتے ہیں جسم جلتے ہیں
یہ کیسی رسم ہے انسانیت بھی لرزاں ہے
یہ کیسا ملک ہے یاں کیسے لوگ بستے ہیں

ہیں کتنے پھول چمن میں

کھلے ہیں پھول کئی زینتِ چمن کے لیے
ہر ایک گوشہء گلشن میں رقص جاری ہے
مگر ہیں کتنے یہاں پھول جن کے ہونٹوں پر
بنامِ موسمِ گُل، تازگی غزلخواں ہے
ہیں کتنے پھول چمن میں کہ جن کی پلکوں پر
بنامِ جشنِ چراغاں ہے روشنی رقصاں
ہیں کتنے پھول گلستاں میں جن کے سینے میں
بنامِ رقصِ شرر داغ داغ روشن ہیں
ہیں کتنے پھول چمن میں کہ جن کی سانسوں میں

شمیمِ زلفِ نگاراں ہے آج مہکی ہوئی

بہت سی کلیاں تھیں ایسی کہ پھول بن نہ سکیں
ہوائے گرم سے مرجھا گئیں گلستاں میں
بہت سے غنچے تھے ایسے کہ صحنِ گلشن میں
جھلس کے رہ گئے جو گرمیِ بہاراں سے

کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں شاہراہوں پر
کہ جن کے چہروں پہ ہے زندگی کی رعنائی
کچھ ایسے لوگ ملیں گے اداس گلیوں میں
کہ جن کے چہروں سے ٹپکے ہے زندگی کی تھکن
بہت سے ایسے بھی گھر آج ہم کو ملتے ہیں
جہاں پہ آس کی ہلکی سی روشنی بھی نہیں
کچھ ایسے لوگ بھی جو سیم و زر کو ٹھکرائے
نگارِ زیست سے ملتے ہیں بے نیازانہ
کچھ ایسے گھر ہیں سرِ شام جو سلگتے ہیں

گھروں میں جن کے کبھی روشنی نہیں ہوتی
وہ لوگ پھر بھی اُجالوں کی قدر کرتے ہیں
خزاں نصیب سہی پھر بھی اُن کے دامن میں
کوئی بھی رُت ہو مگر پھول مسکراتے ہیں

یہ پھول تو ہیں مگر ان میں تازگی ہے کہاں
یہ نونہالِ چمن ہیں وطن کا مستقبل
اُداس چہرے ہیں، فاقوں سے مضمحل ہیں بدن
دُھواں دھواں سی نگاہوں میں روشنی نہ کرن



گھر سے جب ماں کے قدم چھُو کے نکل جاتا ہوں
زندگی اور بڑھا دیتی ہے میرا اعزاز

بہار نالاں ہے ہم نشینو
(نئے سال پر)

گزشتہ لمحوں کی طرح اب بھی
بہار نالاں ہے ہم نشینو!
چلے بھی آؤ
ہم آج خود اپنا جائزہ لیں
خلوصِ دل سے
ہم اپنے دل کے ورق ورق پر
سلگتی یادوں کے نقش ابھاریں
ہر ایک پل کا حساب کرلیں
وہ اک حسیں خوشگوار لمحہ
ہزاروں صدیوں کا ہے جو حاصل
اُس ایک لمحے کو یاد کرلیں

بہار نالاں ہے ہم نشینو!
چلے بھی آؤ!
دِلوں کے اپنے کواڑ کھولیں
ہم اپنے چہروں کے داغ دھبّوں کو
اپنے ہی آنسوؤں سے دُھولیں
بنامِ اخلاص، گرد رنجش
نہ جانے کب سے جمی ہوئی ہے
وہ بوجھ ذہنوں سے اب ہٹا دو!
دِلوں کے سب فاصلے گھٹا دو

بہار نالاں ہے ہم نشینو!
چلے بھی آؤ
پھر اپنے گلشن کا جائزہ لیں
فضائے گلشن دھواں دھواں ہے
ابھی ہے موجِ نسیم زخمی
کلی کلی آج بھی ہے پیاسی
چمن کے پھولوں پہ ہے اُداسی

ہیں لالہ و نسترن بھی زخمی
چمن کے سرو و سمن بھی زخمی
نواگرانِ چمن بھی زخمی
ورق ورق پر لہو کی بوندیں
نظامِ گلشن ہے اب بھی برہم
روِش روِش ہو رہا ہے ماتم

رفیقو آؤ

ہم اپنی تہذیب کو دعا دیں
ہوس کے ہاتھوں سے جسمِ تازہ کبھی جو نیلام ہو چکے تھے
نظر جھکائے وہ سالِ نو کی اداس چوکھٹ پہ آ کھڑے ہیں
اندھیری راتوں میں کل جو شمعیں سسکتی بے نام بجھ گئی تھیں
اُن ہی کی اب جگمگاتی کرنیں ہماری محفل پہ چھا رہی ہیں
بھری بہاروں میں جس نے پھولوں کی تازگی کا سہاگ لوٹا
چمن کے ماتھے پہ داغ رسوائی آج بن کر چمک رہے ہیں
بہت سے بے نام ایسے بچے گلی گلی آج پھر رہے ہیں
کہ جن کی آنکھوں سے اشک ڈھل کر سلگتی پلکوں پہ رک گئے ہیں

کہاں ہیں تہذیبِ نو کے خالق کبھی وہ اپنا بھی جائزہ لیں

بہار نالاں ہے ہم نشینو!
چلے بھی آؤ
کتابِ ماضی کے حرفِ آخر کو سالِ نو کا پیام دے دیں
شکستہ اوراقِ زندگی پر لہو سے اپنا بھی نام لکھیں



خاکِ وطن نے اُن کو گلے سے لگا لیا
جو لوگ قتل ہو کے یہاں بے کفن رہے



اس طرح کج کلاہی کو اپنی نبھائیے
دشمن سے گفتگو میں بھی اِک بانکپن رہے

گاندھی ازم

(تمہیں تو ہو گا پتہ روشنی کے قاتل کا)

اصول، راستی، انسانیت، رواداری
عظیم ورثہ ہے
گاندھی کی زندگانی کا
میں سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں

اگر میں نام لوں سچائی، حق پرستی کا
غریب و مفلس و نادار، بے کسوں کی طرح
تمام عمر رہوں گا میں تشنگی کا شکار

اگر میں نام نہ لوں
جھوٹ، مگرہی کی قسم!

فریب کاری و تکذیبِ روشنی ہو گی
اگر میں نام نہ لوں گا تو میرے ہاتھوں سے
نہ جانے کتنے ہی معصوم بے گناہوں کا
اندھیری گلیوں، چمکتی سی شاہراہوں پر
رفیقو!
دن کے اُجالوں میں ہو گا قتلِ عام
یتیم ہوں گے کئی پھول مسکراتے ہوئے
رہے گا خدشہ بہو بیٹیوں کی عصمت کا

اگر میں نام نہ لوں گا تو میرے دامن پر
نہ جانے کتنے ہی مجبور بے سہاروں کا
بہ نامِ ظلم
لہو داغ بن کے اُبھرے گا
اُجڑ چکے گا سہاگن کی مانگ کا سیندور
نئی نویلی کئی دلہنوں کی زلفوں سے
اندھیری راتوں میں بکھرے گی کہکشاں یارو!
میں سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں

اگر میں نام نہ لوں گا تو یہ بھی ممکن ہے
کہ وید، گیتا کا قرآں کا نام لے لے کر
مہکتے جھومتے کتنے ہی گاؤں اُجڑیں گے
بہت سے شہر اُجالوں کی آرزو کی طرح
پلک جھپکتے ہی ویرانیوں میں بدلیں گے
بڑھے گی اور تعصب کی گرم بازاری
نہ ہوگا دل میں کوئی احترام مذہب کا
میں سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں

اگر میں نام نہ لوں گا تو یہ بھی ممکن ہے
جہاں بھی جاؤں گا کھیلوں گا خون کی ہولی
رہے گا خون کا الزام میری گردن پر
حریص نظریں رہیں گی شریکِ جرم و گناہ
جیوں گا دوستو! کس طرح ایسے عالم میں
تمہیں پہ چھوڑتا ہوں آج فیصلہ دل کا
تمہیں تو ہوگا پتہ روشنی کے قاتل کا

لاشوں کا سفر

(آندھرا میں طوفان کی تباہ کاریاں)

زندگی
کتنے ہی لمحوں کو سمیٹے ہوئے
پھولوں کی طرح
پھیل جاتی تھی فضا میں نئی سوغات لیے
اپنے دامن میں مہکتے ہوئے لمحات لیے

•

زندگی نورِ مسلسل تھی کبھی
وقت کا قیمتی انعام بھی تھی
موت کے لمحے مگر پھیل گئے

زندگانی کے مہکتے ہوئے گلزاروں میں
پھول ہی پھول یہاں بکھرے تھے بازاروں میں



کتنے معصوم سے انسانوں کا ماتم کیجیے
ایک دو چار نہیں سیکڑوں لاشیں ہیں یہاں
سیکڑوں لاشیں ہیں بکھری ہوئی بے گور و کفن
سیکڑوں لاشیں ہیں پھیلی ہوئی صحراؤں میں
سیکڑوں لاشیں ہیں مٹی کا کفن اوڑھی ہوئی



ایک دو پل میں کئی بستیاں ویران ہوئیں
کتنے ہی گھر ہوئے بے نام و نشاں لمحوں میں
کتنے ہی کھیلتے بچوں نے یہاں دم توڑا
گاؤں کے گاؤں یہاں ڈوب گئے پل بھر میں

کتنے ہی ننھے بچّے ہوئے ماؤں کے سینے سے جُدا
کتنے ہی ہنستے ہوئے جسم ہوئے نذرِ اجل
زندگانی کے کئی ٹوٹ گئے تاج محل



زندگی تیرے سہارے کے لیے
کتنے بچھڑے ہوئے لوگوں نے پکارا تجھ کو
زندگی تیرے سہارے کے لیے
کتنی ماؤں کا یہاں پھیل گیا تھا دامن



زندگی تیرے سہارے کے لیے
کتنی ہی بہنوں نے بھائی کو پکارا ہوگا
زندگی تیرے سہارے کے لیے
کتنے معصوم سے بچّوں نے دعائیں مانگیں
زندگی تو نے سہارا نہ دیا



فلسطینی جانبازوں کی آواز

مدت سے یہاں امن کے ہم بھی ہیں طلبگار
اک ہاتھ میں زیتون کی شاخ ایک میں تلوار

یہ جنگ تو پرکھوں سے چلی آئی ہے لوگو
ہر سانس ہماری ہے یہاں برسرِ پیکار

یہ جان کے بھی اونچی چٹانوں پہ کھڑے ہیں
بارود کی گرمی سے پگھل جاتے ہیں کہسار

اپنی تو صلیبوں کے تلے آنکھ کھلی ہے
ہم جانتے ہیں کون ہیں قاتل کے طرفدار

ہے اپنے قبیلوں کی مقدس سی امانت
ہم گرنے نہیں دیں گے کبھی سر سے یہ دستار

صحراؤں کے آغوش میں ہم لوگ پلے ہیں
ہم خانہ بدوشوں کے کہاں ہوتے ہیں گھر بار

ہر چند یہ اسلاف کی سانسوں کی ہے گرمی
ہم خطۂ گلزار کے برسوں سے ہیں حقدار

ہم سر پہ کفن باندھے ہوئے کب سے کھڑے ہیں
ہم موت کی آغوش میں بھی رہتے ہیں سرشار

اک عمر سے رہتے ہیں کڑی دھوپ میں ہم لوگ
پہچان لیا کرتے ہیں ہم وقت کی رفتار

گر آج نہیں کل تو کسی طرح ملے گا
بے خانماں لوگوں کو یہاں سایۂ دیوار

●

فن کار

گلاب اگاتی رہی ہیں شگفتہ تحریریں
شعور فکر و نظر ہی سے فن کی عظمت ہے
بہت لطیف ہے لفظوں کی پیرہن سازی

شگفتہ کتنے ہی فن کار کے ہوں شام و سحر
ہر ایک لمحے میں برسوں کا کرب ملتا ہے

فضائے دہر میں بکھرا ہوا سا اک فن کار
کشاکشِ غمِ دوراں پہ طنز کرتا ہوا
فسردہ زیست کی حالت پہ مسکراتا ہے
کوئی بھی رُت ہو بہر حال گنگناتا ہے

معاشرے کی رگوں میں لہو اگر کم ہو
ذہین لوگوں کو نشتر تلاش کرتے ہیں
جو لوگ اشکوں سے تاریخ لکھتے آئے ہیں
انھیں کا ذکر ہے اب صبح کے نگینوں میں
دھڑک رہے ہیں وہی روشنی کے سینوں میں

●

جشنِ امروز

کتنی راتوں کی پگھلتی ہوئی تنہائی کو
تو نے احساس کی گرمی سے جلایا ہوگا
آبلہ پائی کا ہر لمحہ بھرم رکھنے کو
کتنے تپتے ہوئے صحراؤں سے گزرا ہوگا
کون جانے ترے ہونٹوں کی یہ شائستہ ہنسی
کتنے خاموش تکلم کا بھرم رکھتی ہے

اپنی آواز کا احساس دلانے کے لیے
کتنے سوئے ہوئے دروازوں پہ دستک دی ہے
روشنی بانٹتا ہر لمحہ پگھلتا ہی رہا
تو چراغوں کی طرح بزم میں جلتا ہی رہا

جشنِ امروز کے مہکے ہوئے ان لمحوں میں
جانے اب کس لیے محسوس یہ ہوتا ہے مجھے
شہر سے دور کسی گاؤں کی پگڈنڈی پر
ایک بجھتا ہوا دیپک لیے ہاتھوں میں کوئی
غالباً آج تلک بھی وہیں بیٹھا ہوگا
جس سے ملنے کی کبھی تم نے قسم کھائی تھی

●

اندیشہ

اپنی آزادی سنہرے خواب کی تعبیر ہے

کس قدر شاداب تھا تازہ گلوں سے یہ چمن
کس قدر مہکی ہوئی تھی دوستو! یہ انجمن
آج محفل کے مگر بدلے ہوئے حالات ہیں
اِن نگاہوں میں کئی جلتے ہوئے ذرات ہیں

●

سینۂ تہذیب سے گرنے لگا ہے پھر لہو
بھر نہ جائیں زہرِ قاتل سے کہیں جام و سبو
ہمدمو! ارزاں نہیں ہوتی وطن کی آبرو
اپنی آزادی سنہرے خواب کی تعبیر ہے
کتنی ہی قربانیوں کی بولتی تصویر ہے

●

عظمتِ ہندوستاں یارو! کہیں کم ہو نہ جائے
دوستو! یہ روشنی ظلمت میں پھر ضم ہو نہ جائے
دامنِ گُل خونِ دل کی بوندوں سے پھر نم ہو نہ جائے
صحنِ گلشن میں کہیں تم دیدۂ شبنم ہو نہ جائے
ساز کے پردوں میں نغمہ نغمات کی ہو زندگی
پھر نسیمِ صبح سے آئے گُلوں پہ تازگی

●

پھول اور غنچے رہیں گے گلستاں کے ساتھ ساتھ
رہبر و راہی رہیں گے کارواں کے ساتھ ساتھ
چاند اور تارے رہیں گے آسماں کے ساتھ ساتھ
امن کی تقدیر ہے ہندوستاں کے ساتھ ساتھ
اَن گنت پھولوں سے کھلتا ہی رہے گا گلستاں
رُک نہیں سکتا کبھی یہ زندگی کا کارواں

●

پھول گلشن میں کھلیں یا کسی صحرا میں کھلیں

پھول گلشن میں کھلیں یا کسی صحرا میں کھلیں
پھول پلکوں پہ کھلیں یا کسی دامن میں کھلیں
پھول ہونٹوں پہ کھلیں یا کسی چہرے پہ کھلیں
پھول آنگن میں کھلیں یا کسی ویرانے میں
پھول ساغر میں کھلیں یا کسی مے خانے میں
پھول مسجد میں کھلیں یا کسی مندر میں کھلیں
اپنی خوشبو کا وہ احساس دلا دیتے ہیں
صحنِ گلشن کی لطافت کو بڑھا دیتے ہیں

پھول گلشن میں کھلیں یا کسی صحرا میں کھلیں
پھول فطرت کے تقاضوں پہ کھلا کرتے ہیں
جیسا ماحول ہو وہ سانس لیا کرتے ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ ہیں اِن میں شگفتہ کتنے
دیکھنا ہے کہ ہیں اِن میں گُلِ تازہ کتنے
کتنے ایسے ہیں یہاں جن کے لبوں پر ہے ہنسی
کتنے ایسے ہیں یہاں جن کو میسر ہے ہنسی
کتنے ایسے ہیں جو ہر حال میں جی سکتے ہیں
زہرِ غم، ہنستے ہوئے چین سے پی سکتے ہیں
ہم نئی نسل کے احساس سے واقف ہیں مگر
پہلے بچوں کو بتانا ہے کہ کس ملک میں ہو
یہ بتانا ہے انھیں حبِّ وطن کیا شے ہے
عظمتِ ہند ہے کیا اُن کو سکھانا ہو گا
کون مخلص ہے یہاں اُن کو بتانا ہو گا



اُن کو بتلانا ہے اسلاف کی تاریخ ہے کیا
اُن سے کہنا ہے یہاں صبح تلک کون جلا
دشمنِ ہند سے کس وقت یہاں کون لڑا
اُن سے کہنا ہے یہاں اب تو اندھیرا نہ رہے
جتنے ہم پیاسے ہیں، اتنا کوئی پیاسا نہ رہے

●

اُن سے کہتا ہے کہ مجرم ہیں فسادات کے ہم
اُن سے کہتا ہے کہ عادی ہیں فسادات کے ہم
اپنے ہی خون سے کھیلی یہاں ہولی ہم نے
اپنی لاشوں پہ لگائی یہاں ٹولی ہم نے

●

اُن سے کہنا ہے نہ چھن جائے کسی لب سے ہنسی
پھر نہ اُبھرے کسی مظلوم کی پلکوں پہ نمی
اُن سے کہنا ہے کسی بیٹی کی عصمت نہ لُٹے
آبروماں کی کسی گھر کی شرافت نہ لُٹے
اُن سے کہنا ہے کہ پھیلے نہ فسادات کی آگ
اُن سے کہنا ہے کہ لٹ جائے نہ بہنوں کا سہاگ

●

اُن سے کہنا کسی سلمیٰ کا یہاں گھر نہ جلے
کسی رادھا کا مہکتا ہوا بستر نہ جلے

●

اُن سے کہنا ہے کہ ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں
اُن سے کہنا ہے کہ ہر غم کو یہاں مل کے سہیں
پیار کی رسم چلے، جرم و سزا کچھ بھی نہ ہو
اپنے ہر گھر میں محبت کے سوا کچھ بھی نہ ہو

●

اُس کی ہتھیلیوں میں بھی کانٹوں کے زخم ہیں
جس کے گلے میں کل یہاں پھولوں کا ہار تھا

●

کرتا تھا کل جو شہر میں پھولوں کا اہتمام
نیّرؔ وہی تو قتلِ فصلِ بہار تھا

زندگی تجھ سے ملاقات تو ہو جاتی ہے

پیار کا رشتہ کسی دور کا پابند نہیں
درد کا رشتہ تو ورثے میں ملا ہے ہم کو
لے الگ، راگ الگ ساز جدا ہے پھر بھی
مختلف لہجوں کی ملتی ہوئی آواز ہیں ہم
زندگانی کا چھلکتا ہوا انداز ہیں ہم



زندگی!
تجھ سے ملاقات تو ہو جاتی ہے

بعض اوقات کسی لمحۂ ویراں کی طرح
بعض اوقات مہکتے ہوئے موسم کی طرح
زندگی !
مجھ سے نہ چھوٹا کبھی دامن تیرا
مجھ پہ تو
اپنی عنایت کا بھرم رہنے دے
ایک دیرینہ تعلق ہے کرم رہنے دے



مجھے تم سطحِ دریا پر نہ ڈھونڈو
بہت اونچی چٹانوں سے گرا ہوں
جہاں چھوڑا تھا مجھ کو زندگی نے
ابھی تک اس دوراہے پر کھڑا ہوں

یہ لوگ

چھڑے ہیں بزمِ یاراں میں مسائل زندگانی کے
یہ ایسے لوگ ہیں
جو گھر سے اکثر دوُر رہتے ہیں



اِدھر کچھ خانقاہوں میں بھی ہیں جھگڑے وراثت کے
یہ دنیا دار ہیں
اہلِ نظر، اہلِ بصیرت ہیں



شوالوں، مسجدوں میں تذکرے شیخ و برہمن کے
مگر ان تذکروں سے دُور
ایک ایسی جگہ بھی ہے
جہاں کچھ لوگ
اپنی زندگی کے کرب کو
خاموش پیتے ہیں
بہت ہی دُور رہتے ہیں
ریاکاروں کی بستی سے



فصیلِ شہر کو جب تک گرا نہیں دیں گے
ہمیں یہ لوگ کبھی راستہ نہیں دیں گے

تمام عمر جو چہرے کو اپنے پڑھ نہ سکا
ہم اُس کے ہاتھوں میں اب آئینہ نہیں دیں گے

ایک شام برسات کی

یہ رم جھم کب تلک
برسیں تو بادل ٹوٹ کر برسیں
کبھی ہلکا تبسم آسماں کے نرم ہونٹوں پر
کبھی کچھ بادلوں کے قافلے سے
نیلگوں آکاش پر پھیلے ہوئے
نیلے سے دامن پر
کبھی تو بجلیوں کی ٹوٹتی انگڑائیاں
دھرتی کے سینے پر
کبھی قوسِ قزح اوڑھے ہوئے
رنگوں کے پیراہن

●

یہ رم جھم کب تلک
برسیں تو بادل ٹوٹ کر برسیں

●

کون ملتا ہے یہاں ہم سے عزیزوں کی طرح

صف بہ صف لوگ تھے کتنے ہی سوالوں کی طرح
آپ محفل میں جب آئے تھے چراغوں کی طرح

دل کی دہلیز پہ دیپک سے جلے ہوں جیسے
آپ اس طرح چلے آئے اُجالوں کی طرح

لوٹ کر شہر جب آپ آئے تھے برسوں پہلے
صف میں ہم بھی تھے کھڑے تازہ سوالوں کی طرح

ہم ہیں شادابیِ گلشن میں برابر کے شریک
ہم نہیں ہیں یہاں بکھرے ہوئے خوابوں کی طرح

ہم گُلِ تازہ ہیں مہکے ہوئے گُلدانوں کے
ہم یہاں تھے ہی نہیں خالی مکانوں کی طرح

وضع داری پہ کبھی حرف نہ آیا اپنی
گو بدلتے رہے حالات سوالوں کی طرح

جب سُنا ہم نے کہ رخصت ہوئی جاتی ہے بہار
دل پہ ہر لمحہ گراں ہے کئی سالوں کی طرح

زندگی بھر کی تھکن ٹوٹ کے رہ جاتی ہے
جب بکھر جاتے ہیں کچھ لوگ خیالوں کی طرح

اپنے جب مل کے جدا ہوتے ہیں دل دُکھتا ہے
لوگ کیوں آتے ہیں محفل میں فسانوں کی طرح

کچھ بھلے لوگ تھے وہ بھی ہوئے رخصت نیّرؔ
کون ملتا ہے یہاں ہم سے عزیزوں کی طرح

تعارف

پھول!
محتاجِ تعارف تو نہیں گلشن میں
روشنی!
وقت کی پابند نہیں
یہ اندھیروں میں تو کچھ اور سنور جاتی ہے
زندگی بن کے فضاؤں میں بکھر جاتی ہے

●

زندگی!
رقصِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں
موت!
انجام ہے نادیدہ اجالوں کے لیے
روشنی!
دیدہ وروں کے لیے آشفتہ سری
کم نگاہی کے لیے کاسۂ دریوزہ گری

●

تشنگی

ہیں رواں قافلے صدیوں سے
مگر وقتِ گریزاں کی طرح
مضمحل اور ہوئے جاتے ہیں
آوارہ قدم



تشنگی
جلتے ہوئے ہونٹوں پہ جم جاتی ہے
وضع داری ہی نبھانی ہو تو میخانہ چلو
تاکہ محفل میں کوئی شخص بھی
پیاسا نہ رہے



دوراہے پر

لوگ!

بچھڑے بھی تو تہذیب کے دوراہے پر

جانے کس موڑ پہ مل جائیں گے یارانِ وفا

لوگ!

یہ کچھ آج بھی جذبات میں ہیں لپٹے ہوئے

ہاتھ لگ جائے تو وہ پھوٹ کے رو دیں جیسے

کون جانے کہ وہ کن خوابوں کی تعبیریں ہیں

کوئی آہٹ ہے نہ قدموں کے نشاں ہی روشن

دل کے دروازے پہ دستک کی صدا آتی ہے

●

ہائے وہ لوگ

قیدِ موسم نہیں مفلسوں کے لیے
گرمیوں میں سلگتے رہے
موسمِ باد و باراں میں بھیگا کیے
سردیوں میں ٹھٹھرتے، سکڑتے رہے



دور و نزدیک تک
کوئی ہمدم نہیں کوئی مونس نہیں

بے بسی کے سوا کوئی ساتھی نہیں

اوڑھنا اور بچھونا زمیں آسماں



ہائے وہ لوگ!

فٹ پاتھ کی جن سے رونق بڑھی

قید موسم نہیں مفلسوں کے لیے



خیموں کو اپنے چھوڑ کے سب اپنے گھر گئے

جب فصلِ گل کے جسم سے زیور اتر گئے

نقشِ قدم کے بعد

نہ جانے
کتنی صدیوں سے یہ سڑکیں
ڈھو رہی ہیں
بوجھ انساں کا
میسر کچھ تو ہو آرام
اب اِن بوڑھی سڑکوں کو

رفیقو!
کیوں نہ ہم
نقشِ قدم کے بعد
سجدوں کے نشاں چھوڑیں

●

کون آنے والا ہے

یہ کون آیا ہے محفل میں زندگی کی طرح
ڈھلی ڈھلی سی سحر بن کے روشنی کی طرح

ہیں فرشِ راہ سبھی کون آنے والا ہے
ہے عطر بیز فضا، دائمی خوشی کی طرح

نئے سفر میں بھی خوشبو کی لہر چلتی رہے
نقوش چھوڑ دیئے پائندہ دوستی کی طرح

ہمیں بتائیے ہم کس کو ٹوٹ کر چاہیں
خلوص آپ کا ملتا ہے آپ ہی کی طرح

نئی فضاؤں میں بھی دوستوں کا پاس رہے
نظر نہ آئے کوئی کاسۂ تہی کی طرح

کسی بھی گوشۂ محفل میں ڈھونڈ لو ہم کو
ملیں گے ہم تمہیں شائستہ زندگی کی طرح



خلوص بانٹتا میں سب کے گھر گیا لیکن
تم آج آئے ہو جب میرا ہاتھ خالی ہے

پُرسہ

ایک مدت سے جو خدشہ تھا وہی بات ہوئی
ڈھل گئی شام، سحر روٹھ گئی، رات ہوئی

آج کی صبح اندھیروں کو بھی لائی ہمراہ
موت کے زہر سے پیشانیٔ ہستی ہے سیاہ

اک تھکے ہارے مسافر کے قدم ٹوٹ گئے
آبلے پاؤں کے منزل کے قریں پھوٹ گئے

جس طرح دامنِ شب میں کوئی تارا ٹوٹا
گردشِ وقت کے ہاتھوں سے بھی ساغر چھوٹا

پھول مرجھا گئے شبنم نے بہلائے آنسو
چھین لی وقت نے اک پھول سے اسکی خوشبو

گُل ہوئی شمع، دھواں اُٹھا، سیاہی چھائی
زندگانی کی جہاں تاب کرن کجلائی



آپ جب ہنستی ہیں، ہنستا رہا گلشن میرا
آپ روتی ہیں تو بھیگا گیا دامن میرا

میں بھی مانوس ہوں کچھ ایسے ہی دردوغم سے
میرا دامن بھی تو وابستہ ہے چشمِ نم سے

پلکیں جب بھیگیں کسی نے بھی نہ آنسو پونچھے
کوئی دامن بھی نہ تھا کوئی بھی آنچل نہ بڑھا



یہ کیسے لوگ ہیں

کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں
ہم کو
شہرِ دانش میں
بسر ہوتی ہے جن کی
سایۂ دیوار کے پیچھے
نہیں ہوتا جنھیں احساس کچھ موسم بدلنے کا
یہ کیسے لوگ ہیں!
جو بے نیازِ رنج و حرماں ہیں

اِک چراغ اور بجھا

(ایک شاعر کی نذر)

روشنی!
سلسلۂ نورِ سحر کی صورت
اپنا احساس دلاتی ہی رہی شام و سحر
زندگی!
رقص کناں محفلِ زنداں میں کبھی
اپنی پہچان کا احساس دلاتی ہی رہی



کوئی شائستہ نظر

دیدہ وروں کی صف میں
کیوں نظر آتا نہیں



کب نئی صبح کی وہ پہلی کرن
گھر کے دروازے پہ دستک دے گی
میں بھی اِک عمر سے ہوں چشم براہ
منتظر میں بھی ہوں
اُس نورِ سحر کا یارو!
جس کے فیضان سے جاری ہو اُجالوں کا سفر
کب سے روشن ہے مرا دیدۂ تر



اِک چراغ اور بجھا
اور اندھیرے پھیلے

●

روشنی آئے گی پھر ایک نئی شان لیے
زندگی رکتی نہیں
کارواں وقت کا چلتا ہی رہے گا یوں ہی
اپنے مقصد کے لیے اپنی مشیت کے لیے
اک چراغ اور بجھا ——
اور اندھیرے پھیلے

●

یہ کیسی بزم ہے ہر اک نگاہ پیاسی ہے

یہاں بھی اپنے ہی گھر کی طرح اُداسی ہے

شاعر

بزمِ یاراں میں یہ نغموں کی فضا کیسی ہے
آج کیا بات ہے اس بزمِ رفیقاں کا جمال
ہر قدم ایک نئی خوش نظری مانگے ہے
پاک نظروں سے بھی اب پردہ دری مانگے ہے

کہیں اس بزم کا حاصل وہی شاعر تو نہیں
جس کے ہاتھوں کی لکیروں میں ہے لمحوں کا وجود
جس کے نغمات میں ہے چاندنی راتوں کا سہاگ
جس کے ہونٹوں پہ تبسم تو نمی پلکوں پر
جس کی نظموں کا ہے چڑھتا ہوا جادو گھر گھر
بزمِ یاراں میں جو ہنستے ہوئے رو دیتا ہے
دامنِ محفلِ جاناں کو بھگو دیتا ہے

●

وہ ایک لمحہ
(نئے سال پر)

پلک جھپکتے ہی ایک اور سال بیت گیا
ہر ایک سال اسی طرح بیت جائے گا
مگر وہ زخم جو حالات نے نوازے ہیں
مگر وہ زخم جو ہر زندگی کے ساتھی ہیں
مگر وہ زخم جو ماضی کے دل کے نشتر ہیں
مگر وہ زخم جو ہر سال کا مقدر ہیں
مگر وہ زخم جو خود بے نیاز مرہم ہیں
مگر وہ زخم لویں جن کی خود ہی مدھم ہیں
رفیقو! زخمی دلوں کا علاج کون کرے
جراحتوں کے خلاف احتجاج کون کرے
وہ ایک لمحہ جو صدیوں کا ہم رکاب رہا

کرن کرن کا لہو پی کے نور پھیلا یا
وہ ایک زہرِ تبسم جو تشنہ لب کو ملا
قریب شہرِ تمنا وہ آنسوؤں میں ڈھلا
وہ ایک درد، جو اک پیار کی امانت تھا
فریبِ حسن وفا کا اسیر ہو کے رہا
وہ ایک گُل، ہوئی کانٹوں میں پرورش جس کی
بھری بہار کے سینے پہ خود ہی مرجھایا
وہ ایک لمحہ جو ہونٹوں پہ رقص فرما تھا
زمانے بھر کی صداؤں میں ہو گیا تحلیل



وہ اک نظر نگراں جو سحر کی تھی کل تک
وہ آدھی رات کی خاموشیوں میں ڈوب گئی
وہ ایک رند جو تھا پہلی شام سے پیاسا
بنامِ تشنہ لبی رات بھر تڑپتا رہا
وہ ایک جام جو تشنہ لبی کا ضامن تھا

لرزتی صبح کے ہاتھوں سے خود ہی چھوٹ گیا
وہ ایک جام جو پیاسے دلوں سے واقف تھا
سنا ہے آخرِ شب میکدے میں ٹوٹ گیا



رفیقو! پھر نئی دھڑکن قبول ہے لیکن
خلوص و مہر و وفا پر کوئی نہ حرف آئے
بہ قدرِ حوصلہ ہم روشنی کا جام پئیں
نہ قیدِ ہوش ہیں شاد و بامراد رہیں
اندھیرے میلوں میں دانستہ ہم نہ کھو جائیں
نئی سحر کے اُجالوں میں پھر نہ سو جائیں



ایک سادہ سا ورق

ہر نئے سال کے ہاتھوں سے ہمیں ملتا ہے
ایک سادہ سا ورق
نام لکھنے کے لیے
ہم سے بچھڑے ہوے
روٹھے ہوے اُن یادوں کا
کل تلک جن سے رہا تشنہ نگاہی کا بھرم
کل تلک فیض رساں جن کی رہی چشمِ کرم

●

زندگانی کا کوئی موڑ بھی
ہاتھ پھیلائے نہ وہ کاسہ بکف پھرتے رہے
روشنی بانٹتے پھرتے تھے سیہ خانوں میں
ہائے کیا بات تھی اُس دور کے دیوانوں میں

●

بعض خط دوستو!

صرف احساس تھا کل
خط و کتابت تو نہ تھی
آج اعزاز ہے یہ چشمِ فروزاں کے لیے
سامنے آنکھوں کے احباب کی تحریریں ہیں

•

اِن خطوں میں کہیں جذبات کے طوفاں ہی نہیں
اور کچھ شامِ غریباں کی خموشی ہوگی
کرب ہوگا، کئی لمحوں کی گھٹن بھی ہوگی
اِن میں کچھ اَن کہی باتوں کی عبارت ہوگی

بعض خط دوستو!
ایسے بھی ملیں گے ہم کو
جن میں خاموش تکلم کے سوا کچھ بھی نہیں

•

اپنے ہی شہر میں

کس کی خاطر یہاں پھولوں سے سجی ہے محفل
اِس قدر صاف نہ تھا پہلے کبھی شیشۂ دل

بعد مدت کوئی بچھڑا ہوا آیا ہے یہاں
ساتھ لایا ہے مگر اپنے وہ اک تازہ جہاں

اپنے گھر آیا ہے مہمان کی صورت بن کر
اپنے ہی شہر میں اعزاز کی عظمت بن کر

ہے بظاہر ترے ہونٹوں پہ تبسم کی لکیر
کس کو معلوم ہے رہتا ہے تو کتنا دلگیر

طنزِ تہذیب کے زخموں پہ ہے نشتر کی طرح
گفتگو ہے تری اک قیمتی پتھر کی طرح

تیرے لہجے کے مقدر میں سلگ جانا ہے
تیری آواز میں حالات کا افسانہ ہے

طنز کے تیر ہیں اظہارِ تکلم کے لیے
کتنے اشکوں کو چھپایا ہے تبسم کے لیے

تو نے ٹھکرائے ہیں شہرت کے کئی جام و سبو
فن کی عظمت کے لیے تو نے دیا دل کا لہو



بھیگی ہوئی نگاہوں سے کیا گفتگو کریں
دامن بتا رہا ہے کوئی درمیان تھا

رنگ و نور کی رات

یہ رنگ و نور کی برسات
جگنوؤں کی برات
بکھر رہی ہے فضاؤں میں کہکشاں کی طرح
اُجالے کتنے ہی راتوں کا زہر پی پی کر
بصد خلوص بہ اندازِ دلکشی اب بھی
سیاہ راتوں میں تاریکیوں کے چہروں پر
اُبھر رہے ہیں بنامِ خلوص و مہر مگر
یہاں ہے کتنی نگاہوں میں روشنی کا چلن
دِلوں میں کتنے صبا لے رہی ہے انگڑائی
نظر نظر میں دھندلکا

دھواں دھواں چہرے



اُداس ہیں در و دیوار تو
نہ بجھے سے مکاں
ہیں کتنے ایسے مکاں جن میں دیپ جلتے ہیں؟



یہ رات وہ ہے کہ تاریکیوں کے دامن میں
کہیں یہ دوستو! خوشیوں کے جل رہے ہیں چراغ
کہیں یہ زخم سلگتے ہیں، دل پگھلتے ہیں



عید

کتنے لمحوں کو لیے آئی ہے، دامن میں خوشی
عید آتی ہے تو ہر گھر میں کنول کھلتے ہیں
دل میں جل اٹھتے ہیں بے ساختہ کتنے ہی چراغ



ایک لمحہ
جو کئی صدیوں سے ہے نغمہ بہ لب
شیشۂ دل میں سلیقے سے اتر جاتا ہے



●

عید، پیغام ہے مہکی ہوئی خوشبو کے لیے
عید انعام بھی ہے
روتے ہوئے دل کے لیے

●

عید اُن کی ہے جو ہر حال میں جی لیتے ہیں
چاک جتنے بھی گریباں کے ہیں سی لیتے ہیں

●

اِتنے لگے ہیں زخم کہ دل بولتا نہیں
آئینہ اپنا بھید کبھی کھولتا نہیں

ویت نام — ایک گفتگو

یہ اتّصالِ محبت، خلوصِ دل سے سہی
جو قتل و خون نہ روکے وہ گفتگو کیسی
شمیمِ امن لبوں پر
دِلوں میں زہر کے پھول



یہ ویت نام یہ جلتے ہوئے عوام کے شہر
امّید و بیم کی ہیں کشمکش میں الجھے ہوئے



●

یہ ویت نام کے جانباز
حریّت کے امیں
پہنے ہوئے ہیں جو امریکی زخم کے ناسور
حوادثات سے قصداً نظر ملائیں گے
دِلوں میں زخم سہی پھر بھی مسکرائیں گے

●

کیا شہر تھا کس طرح سے برباد ہوا ہے
قاتل کے سوا شہر میں اب کون بچا ہے

جب آپ کے چہرے پہ کوئی زخم نہیں ہے
کیوں آئینہ ہاتھوں سے گرے چھوٹ رہا ہے

ماں کے آنسو

(بیٹی کی رخصتی پر)

یہ تو میں بھی جانتی ہوں تو ہے کیوں اِتنی ملول
کس لیے مرجھا گیا شاداب سے چہرے کا پھول

اے مری لختِ جگر! اے زندگی کی صبح و شام
اے مری شمعِ تمنّا! اے مری ماہِ تمام

میری صبحوں کا ترنّم میری شاموں کا گداز
میری آنکھوں کی بصارت میرے دل کا سوز و ساز

کس قدر میں پیار کرتی ہوں تجھے معلوم ہے
میری کتنی اَن کہی باتوں کا تو مفہوم ہے

آبروئے زندگانی! اے مری چشم و چراغ
کانپتے ہاتھوں میں ہے اب تیری فرقت کا ایاغ

یہ تو ہر لڑکی کی قسمت ہے ترا اک ذکر کیا
سچ جو پوچھو تو مشیت کا یہی ہے فیصلہ
یہ جدائی قدرتی ہے اتنی آزردہ نہ ہو
اے شگفتہ گل! خدارا اتنی پژمردہ نہ ہو
رخصتی کے وقت بھی بھیگا ہوا دامن نہ ہو
مسکراہٹ ہو لبوں پر آنکھ میں ساون نہ ہو

میری خاموشی کا شاید تجھ کو اندازہ نہیں
کچھ دنوں سے میرا دامن بھی تر و تازہ نہیں
مجھ کو شدت سے جدائی کا تری احساس ہے

کب سے اک ٹوٹا ہوا آئینہ دل کے پاس ہے

آج اپنی ماں کے گھر کو چھوڑ کر جائے گی تُو
برکتیں بھی ساتھ لے جائے گی اِس آنگن کی تُو
تیرے قدموں سے بھی تھا اِس گھر میں خوشیوں کا چلن
روشنی پھیلا رہی تھی کب سے شمعِ انجمن
سارے رشتے ناطے مِل کر کہہ رہے ہیں الوداع
وہ در و دیوار بھی کہنے لگے ہیں الوداع
جن میں تجھ کو مل رہا تھا گرم راتوں کا خمار
جن میں تجھ کو مل رہا تھا نرم صبحوں کا نکھار

عندلیبِ خوشنوا صحنِ چمن کو یاد کر
تُو سلیقے سے نئے ماحول کو آباد کر

●

دستک

دِل کے دروازے پہ دستک کی کوئی قید نہیں
دِل کا دروازہ
ہمیشہ ہی کھُلا رہتا ہے
کون جانے کہ کوئی پیاسا مسافر آجائے
زندگی بھر کی تمنّاؤں کا انبار لیے
تاکہ خاموش نگاہوں کو تکلّم مل جائے
پھر گُلِ تازہ کو اِک بار تبسم مل جائے

●

بھٹکی ہوئی نیکی

زندگی ؟
کاسہ بکف پھرتی رہے گی کب تک
ٹھوکریں کھاتے ہوئے
گلیوں میں بازاروں میں



زندگی !
پیاسی نگاہوں کا بھرم رکھنے کو
کب تلک شہر کی ویران گزرگاہوں سے
یوں ہی گزرے گی
اُجالوں کی تمنا لے کر



زندگی ؟

رختِ سفر باندھے ہوئے
اپنی منزل کی طرف کب سے رواں ہے یارو !
کوئی ہمدم تو ملے
کوئی سہارا تو بنے



روشنی چاہیئے بجھتی ہوئی آنکھوں کے لیے
روشنی چاہیئے بے نام چراغوں کے لیے



زندگی ؟
کاسہ بہ کف پھرتی رہے گی کب تک
ٹھوکریں کھاتے ہوئے
گلیوں میں بازاروں میں
کوئی ہمدم تو ملے
کوئی سہارا تو بنے



ایک تہنیتی نظم

سُہانی شام بھی ہے' خوشبوؤں کا عالم بھی
خلوصِ تشنہ لبی بھی ہے' ربطِ باہم بھی

یہ رُت ہی ایسی ہے کچھ تازہ تازہ پھولوں کی
سجی ہے آج یہ محفل نئے اُجالوں کی

شگفتہ، مہکی ہوئی سی فضا ہر اک سُو ہے
بہارِ نو! تری سانسوں میں تازہ خوشبو ہے

یہ عطر بیز فضا' یہ مہکتے پیراہن
نئی فضاؤں میں پھیلے ہوئے سے ہیں درپن

مہکتی آئی ہے یہ کس قدر سہانی شام
نظر میں جس کی ہے فطرت کا اک نیا پیغام

ہے اہلِ بزم کے چہروں پہ تازگی رقصاں
شفق کے زینے سے اتری ہے آج کاہکشاں



سبھی یہ جانتے ہیں، مرکزِ نظر ہے کون
سبھی یہ جانتے ہیں، رونقِ سحر ہے کون

ترا وجود ہی خود شہ نشیں کی زینت ہے
ترے مزاج میں اسلاف کی شرافت ہے

نگاہ تیری اُجالوں کی سرزمیں کی طرح
نگاہ تیری ہے اِک تحفۂ حسیں کی طرح

ہنسی بھی ہے تری شادابیٔ چمن کے لیے
خوشی بھی ہے تری پھولوں کی انجمن کے لیے



شگفتہ بزم، تبسم نواز اُسی کی ہے
کہ جس کی شکل سے شائستگی ٹپکتی ہے

کہ جس کے طرزِ تخاطب میں کہکشاں بھی ہے
کہ جس کی گفتگو، تہذیب کا نشاں بھی ہے

کہ جس کے حُسنِ طبیعت پہ تازگی قرباں
کہ جس کی نرم نگاہی پہ چاندنی قرباں



نہ تم میں کم ہو کبھی بھی یہ فیضِ سرشاری
اسی طرح رہے خوشبو کا یہ سفر جاری

خدا تمہارا ہمیشہ ہی پاسبان رہے
تمہارے سر پہ محبت کا سائبان رہے



اپنی تہذیب

صحنِ گلشن میں کئی رنگ کے گُل بوٹے ہیں
اِن کی خوشبو ہے الگ، رنگ الگ ذات الگ
اِن کی تہذیب، روایات جدا ہیں لیکن
ایسا لگتا ہے کوئی شخص جدا ہم سے نہیں
ایسا لگتا ہے کسی کو بھی گلہ ہم سے نہیں

پھول، دامن میں رہیں یا کسی جوڑے میں رہیں
پھول گلشن میں رہیں یا کسی ویرانے میں
اُن کے انفاس کی خوشبو سے مہکتی ہے فضا
اُن کے نغمات سے جذبات کو ملتی ہے جلا

ایک آواز ہے پُرکھوں کی روایات کے ساتھ
اپنی تہذیب ہے شائستہ حکایات کے ساتھ

●

نیا سال

یہ نیا سال
اُجالوں کی قبا پہنے ہوئے
اب کے کچھ اور ہی انداز لیے آیا ہے

کل کی رُت اور تھی
حالات تھے اور
آج موسم ہے نیا
بات نئی

اب نئے رنگ سے گلشن میں بہار آئے گی
ایک ایک بوند کی خاطر ہمیں ترسائے گی

●

زندگی

زندگی!
وقت کے ماتھے پہ سحر کی صورت
جگمگاتی ہے کسی دوست کے وعدے کی طرح
سنگ باری سے مفر ہے تو نہیں
پھر بھی
ماحول کے شیشوں سے وہ ٹکراتی ہے
روشنی بن کے ہر اک سمت بکھر جاتی ہے

●

تلاش

دِل دھڑکتے ہیں یہاں
گوش بر آواز وہاں

دوستو!

سوچ لو احساس کی عظمت کیا ہے
کتنے موہوم سے جذبات کو ملتی ہے زباں

دوست

ماں باپ،

بہن بھائی

عزیزوں کا ہجوم

•

●

ایسے رشتے بھی ہیں
جن کا ابھی کچھ نام نہیں
صرف جذبات ہیں معصوم تمنّا کی طرح

●

بھیگتے جائیں گے وہ ہونٹ جو پیاسے تھے کبھی
اب نہ ہوگی کبھی
افسردہ نگاہوں کی تلاش

●

دامن پہ بھیگی پلکوں کی تحریر چھوڑ کر
وہ شخص جاتے جاتے بھی احسان کر گیا

دلوں کے آئینے

ہمارے شہر میں اِس طرح آپ آئے ہیں
قدم قدم پہ کئی پھول مسکرائے ہیں

بڑے خلوص سے ہم اپنے مہماں کے لیے
دلوں کے آئینے ہاتھوں میں لے کے آئے ہیں

یہ سرزمینِ دکن ہے نصیب والوں کی
یہاں کی مٹی نے نیلم کئی اُگائے ہیں

خلوص، پیار، وفا جس کا خاص مسلک ہے
ہم ایسی بزم میں دل کے چراغ لائے ہیں

اسی لیے یہاں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی
یقیں ہے آپ گلستاں سے ہو کے آئے ہیں

یہ کون ہیں جو صبا کا لباس پہنے ہوئے
بھری بہار میں کچھ پھول چننے آئے ہیں



اُبھر کے آئے ہیں کانٹوں کے زخم پتھر پر
یہ کیسے پھول کھِلے فصلِ گل کی چادر پر

نئی فضا میں نئے خون کی ضرورت ہے

یہ روشنی!
یہ فضاؤں کی نرم گفتاری
یہ زندگی!
نئے ماحول کی یہ سرشاری
ہے کس کی دین یہ کس کی نظر کا تحفہ ہے



شگفتہ ذہن، کشادہ ضمیر، پاک نظر
شعورِ فکر و نظر روشنی کا پیمانہ
ہے کس کی دین یہ کس کی نظر کا تحفہ ہے

•

شعورِ نو کا یہ تحفہ بھی اک امانت ہے
اِسے سنبھال کے رکھنا بھی اک عبادت ہے

•

نئی سحر کے اُجالوں میں کچھ جواں چہرے
اُبھر کے آئے ہیں احساسِ تشنگی کی طرح
معاشرے کی رگوں میں لہو رواں ہے مگر
نئی فضا میں نئے خون کی ضرورت ہے

•

اِن تازہ اُجالوں کی ہو تقسیم برابر
اِس دان کے لیے میں بھی اندھیروں میں رہا ہوں

•

ایک فن کار کی وفات پر...

ہائے وہ شخص جو مہکے ہوئے پھولوں کی طرح
صحنِ گلشن کی امانت کو لیے پلکوں پر
نور کی پہلی کرن بن کے جو رہتا تھا یہاں
جو فضاؤں میں بکھرتا تھا نئی صبح کے ساتھ
جس کے نغموں میں تھے حالات کے تازہ نشتر
شاعری جس کی دل و ذہن کو گرماتی تھی
جس کی سانسوں سے مہکتی تھی دکن کی خوشبو
جس کے ہونٹوں پہ نئے دور کا اُجیالا تھا
گفتگو جس کی تھی گلشن میں گلِ تر کی طرح
انجمن میں جو رہا زلفِ معطر کی طرح
تھک گیا وہ بھی اُجالوں کا سفر کرتے ہوئے

●

●

مسکراتی ہوئی آنکھوں کا بھرم ساتھ لیے
بھوک، افلاس سے سمٹے ہوئے انسانوں میں
عمر بھر پیار، وفا بانٹتا پھرتا ہی رہا
زندگی کے لیے جو موت سے ٹکراتا رہا
ایسے اک شخص کو اب ڈھونڈتی پھرتی ہے نظر

●

ہائے ہر معرکۂ زیست کو سر کرتے ہوئے
تھک گیا وہ بھی اُجالوں کا سفر کرتے ہوئے

●

کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اُتر گئی

حیدرآباد

(اِس کے ذرّوں کی چمک)

پیار ہم سب کو ملے تازہ اجالوں کی طرح
جگمگاتا رہے یہ شہر چراغوں کی طرح

آسمانوں کی بلندی کو بھی چھو لیتی ہے
اِس کے ذرّوں کی چمک چاند ستاروں کی طرح

دوستو روشنی تقسیم کہاں ہوتی ہے
سب علاقے ہمیں پیارے ہیں عزیزوں کی طرح

ہم کو ہر سمت سے ملتی رہے تازہ خوشبو
ہم مہکتے رہیں ہر رُت میں گلابوں کی طرح

یہ چمن سب کا ہے خوشبو کا سفر ہے سب کا
ہم تر و تازہ رہیں گے یہاں پھولوں کی طرح

وقت آجائے تو بل جائیں گے ہم خانہ بدوش
ماں کے قدموں میں وطن دوست شہیدوں کی طرح



کچھ دن کے لیے جس کو مسیحائی ملی ہے
وہ بھی مرے جینے کا سبب پوچھ رہا ہے

یہ شخص اگر قاتلِ کردار نہیں ہے
کیوں سر کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑا ہے

ایک صبح کے نام

تمام عمر کچھ اِس طرح آپ ہم میں رہے
چراغ جیسے غریبوں کی جھونپڑی میں جلے

مہک رہے تھے جو برسوں سے ذہن و دل میں
کھلے ہیں پھول وہ محنت کشوں کی محفل میں

غریب لوگوں کے دل میں بھی کچھ اجالا ہے
جو بد نصیب تھا کل تک، نصیب والا ہے

کچھ ایسا ہو کہ کسی لب پہ آج پیاس نہ ہو
کچھ ایسا ہو کہ کوئی بھی یہاں اداس نہ ہو

جہاں جہاں پہ بھی مہکیں گے جسم پھولوں کے
وہاں وہاں پہ رہیں گے قدم اجالوں کے

●

وقتِ رُخصت

ہم کیا بتائیں آپ سے کس کس کو پیار تھا
جب آپ جا رہے تھے ہر اک اشکبار تھا

ڈالی جو آپ نے درو دیوار پر نظر
ہر گوشہ اس جگہ کا بہت بے قرار تھا

بزمِ طرب سے آپ تو اس وقت چل دیئے
موسم دلِ ونگاد کا جب پُر بہار تھا

جذبات کی زبان تو خاموش تھی مگر
رخصت کے وقت پھر بھی ہر اک غمگسار تھا

ہم کیا کہیں کہ آپ نے کس کس کو کیا دیا
بس اتنا جانتے ہیں محبت شعار تھا

صحنِ چمن میں آپ کو کانٹے بھی تھے عزیز
یہ اس لیے کہ آپ کو پھولوں سے پیار تھا

تقسیمِ مے میں چشمِ مروت رہے شریک
اک ایسے دوست کا ہی ہمیں انتظار تھا

وقتِ جدائی آنکھوں میں آنسو نہ تھے مگر
یہ اور بات میں بھی بہت بے قرار تھا

سرزمینِ دکن

یہ سرزمینِ دکن ہے وطن پرستوں کی
یہاں کے چہروں پہ تحریر ہے اجالوں کی

یہاں کی مٹی اُگلتی ہے آج بھی سونا
یہاں کے کھیتوں میں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی

ہر ایک رُت میں یہاں لہلہاتی ہیں فصلیں
ہمارے دل میں ہے عظمت بہت کسانوں کی

ہمارا ذہن نئے دور کا اُجالا ہے
ہمارے ہاتھوں میں تقدیر ہے مشینوں کی

اندھیرے گھر تھے جہاں کل وہ آج روشن ہیں
ہمارے گاؤں میں رونق ہے آج شہروں کی

بہت سے آج یہاں ہیں ہرے بھرے منظر
جدھر بھی دیکھئے تصویر ہے بہاروں کی

شگفتہ! نکھرے ہوئے ہیں یہاں کے صبح و شام
ہمارے ملک میں روشن ہے اب دکن کا نام

گفتگو

(پاکستان سے رسل و رسائل کی سہولت کے بعد)

رابطہ
ابھی ٹوٹنے پایا بھی نہ تھا پوری طرح
یہ خبر آئی کہ
پھر نامہ و پیغام کا آغاز ہوا
کتنے لمحات تھے جکڑے ہوئے حالات کی زنجیروں میں
فاصلے برسوں کے
لمحوں میں سمٹ آئے ہیں



اِس سے پہلے بھی
پیامات کے دروازے کھلے تھے لیکن
گفتگو
پھر بھی مناجات سے آگے نہ بڑھی



ٹوٹی ہوئی دیوار

کیوں آپ کو ہے میری زباں بندی پہ اصرار
کرتے نہیں کیوں شہر کے قاتل کو گرفتار

کس طرح فسادات کے سیلاب کو روکیں
ہے اپنے ہی گھر کی یہاں ٹوٹی ہوی دیوار

ہم ترکِ وطن کرکے یہ کس شہر میں آئے
سنسان محلے ہیں تو جلتے ہوے بازار

احباب کی جلتی ہوی لاشوں کو اٹھا کر
ہم لائے تھے اِس شہر میں سب چھوڑ کے گھربار

سمجھوتہ ہی کرنا ہے تو اُن کو بھی [illegible]!
کچھ لوگ جو رہتے ہیں ہمیشہ پسِ دیوار

جس شہر سے آئے تھے وہیں لوٹ کے چلئے
اِس شہر میں سب لوگ ہیں قاتل کے طرفدار

نیّر! نہ ملی ہم کو تحفظ کی ضمانت
ہم قتل بھی ہو کے یہاں ٹھہرے ہیں گنہگار



پھیلے گا زہر بن کر قوموں کی زندگی میں

وہ خوف جو ہے شامل احساسِ کمتری میں

وہ پھول بھی تو مرجھایا

حیات و موت میں اِک ربطِ باہمی سا ہے

دیارِ شعر، بہاروں کی سرزمیں ہی سہی

بھری بہاریں کتنی ہی آندھیاں آئیں

دکن کی گود میں کتنے ہی پھول مسکائے

بہار آتی رہے گی چمن پہ صدیوں تک

بہت سی کلیاں گلوں کا لباس پہنیں گی

کوئی بھی فصل ہو مہکیں گی مسکرائیں گی
مہکتی جائیں گی محفل میں نور کی کلیاں
جلیں گے دامنِ گلشن میں روشنی کے چراغ
مگر وہ پھول ہمیشہ جو مسکراتا رہا
وہ پھول جس کی تھی خوشبو صبا کے دامن میں
وہ پھول جس کی مہک علم و فن کے سینے میں
وہ پھول جس کے تبسم سے کانپتی تھی خزاں
وہ پھول جس نے بہارِ دل کو زندگی بخشی
چمن کے سینے پہ وہ پھول بھی تو مرجھایا

●

وہ ایک آنسو

وہ ایک آنسو
جو تمہیدِ روشنی تھا کبھی
نہ جانے کیوں
وہ اندھیروں کی تاب لا نہ سکا



وہ ایک آنسو
جو تمہیدِ آرزو تھا کبھی
نہ جانے کیوں
مری پلکوں سے آج ٹوٹ گیا
وہ ایک آنسو
کہ تھا رازداں محبت کا
دلِ غریب کا جو آخری سہارا تھا
وفا کی راہ میں کیوں میرا ساتھ چھوڑ دیا

خیر مقدم

کس کے اعزاز میں اس طرح سجی ہے محفل
اس قدر صاف نہ تھا پہلے یہ آئینۂ دِل

کس کی خاطر یہاں احباب چلے آئے ہیں
کس لیے ہونٹوں پہ پھولوں کو سجا لائے ہیں

کس لیے عطر میں ہے ڈوبا ہوا صحنِ چمن
کس لیے ہے یہاں بدلا ہوا پھولوں کا چلن

کس لیے دامنِ گلشن میں ہیں مہکے ہوئے پھول
کون ہے محفلِ احباب میں اِتنا مقبول

غالباً بزم میں اعزاز کی دولت کی طرح
کوئی آئے گا یہاں چشمِ مروّت کی طرح

جس کی عظمت کا ہر اک لب پہ ہے اک گہرا اثر
جس کی خدمات کا ہے ذکر یہاں شام و سحر

جس کے لہجے میں ہمیشہ رہی نغموں کی مٹھاس
جس کے ہونٹوں پہ رہی ہے یہاں درویشی کی پیاس

جس کے ہر گام سے ملتا رہا منزل کا نشاں
جس کی اب چشمِ کرم بن گئی ہے فیض رساں

ایسا اک شخص ہی اب زینتِ محفل ہے یہاں
باوقار ایسا ہی اب عظمتِ محفل ہے یہاں

آپ تا عمر مہکتے رہیں پھولوں کی طرح
زندگی گزرے یہاں تازہ گلابوں کی طرح

●

یہ شہرِ آرزو ہندوستان کا دل

(حیدرآباد)

یہ شہرِ آرزو، ہندوستاں کا دل
امانت ہے محبت کرنے والوں کی
وفا کی بولتی تصویر ہے یہ
قطب کا دل دھڑکتا ہے
ابھی تک اِن فضاؤں میں

یہ میرا شہر ہے، دانشوروں، شاعر، ادیبوں کا
یہ شہرِ آرزو ہے، چتر کاروں کا غزالوں کا

کویتا دی کا، گیتوں کا
یہ شہرِ علم و دانش ہے محبت نام ہے اس کا

مرا شہرِ غزل یارو! کچھ اتنا خوب صورت ہو
کہ اس کا حسنِ فطرت ہر نظر سے نور برسائے
یہاں پر چاہنے والا ہمیشہ ٹوٹ کر چاہے

یہاں کی رسم ایسی ہو کہ بس چاہت ہی چاہت ہو
یہاں کے ذرّے ذرّے میں محبّت ہی محبّت ہو



مصلحت کو چھوڑیئے گھر کی حفاظت کیجئے
چھت گری ہے آج تو دیواریں کل گر جائیں گی

آنگن میں پہلا پھول

اُداس اُداس تھیں راتیں بجھے بجھے سے دن
کسی کا ذکر ہی کیا وقت بھی نہ تھا محسن
یہ آرزو تھی کہ گلشن میں کوئی پھول کھلے
کبھی فسردہ مزاجی کو بھی سکون ملے
قدم قدم پہ سلگتے ہوں منزلوں کے چراغ
چمن چمن میں مہکتے رہیں گلوں کے دماغ
مسرتوں کے لبوں پہ شفق کا ہو غازہ
چمن کی گود بھرے گل کھلیں تر و تازہ
دل و نظر میں اُتر جائے پھر سے نورِ حیات
نظر نظر میں سما جائے جگنوؤں کی برات

●

ادھوری کتنی تمنائیں دل کے ساتھ رہیں
اُس ایک آس میں کتنی بہاریں بیت گئیں
اُداس بیٹھے تھے لیکن نسیمِ صبح چلی
چمن کی گود میں ننھی سی اک کلی مہکی
لب اُس کے ایسے کہ اک پنکھڑی کنول کی سی
جبیں پہ نور کی چادر ہو جیسے بکھری ہوی
فروغِ حُسن کا ممکن نہیں تھا اندازہ
شفق جواب سے تھے عارض، جبیں گُلِ تازہ

●

تمہاری بزم میں جتنے بھی لوگ آئے تھے
خلوص و مہر بھی کیا اپنے ساتھ لائے تھے
میں ایک غم زدہ شاعر کسی کو کیا دوں گا؟
خوشی کی بزم میں جی بھر کے مسکرا دوں گا



برائے نذر کچھ اشعار لے کے آیا ہوں
میں دل کے خون سے لکھ کر یہ نظم لایا ہوں
تاثرات ہیں میرے انھیں قبول کرو
اگر یہ خار بھی ہوں مسکرا کے پھول کرو



ہر ایک فصل میں مہکا ہوا رہے دامن
شگفتہ پھولوں سے تازہ رہے یوں ہی گلشن
جبینِ صبح پہ جب تک بھی آفتاب رہے
چمن کی گود میں کھلتا ہوا گلاب رہے



کل کا ہندوستان

یہ مہکے مہکے شگفتہ سے پھول جیسے بدن
گلابِ تازہ کی مانند مسکراتے ہوئے
یہ نونہالِ چمن ہیں، وطن کا مستقبل
ہر ایک رُت میں رہیں گے جو زینتِ محفل
یہ روشنی کے امیں ہیں ہمارے گھر کے چراغ
شگفتہ دل ہیں تو ہیں ان کے پھول جیسے دماغ

یہ بچے کل جو مہکتے تھے ماں کے دامن میں
یہ ننھے گھومتے رہتے تھے کل جو آنگن میں
یہ ننھے آج ہیں اسکول مدرسوں کی طرف
رواں دواں کسی مہکے ہوئے بدن کی طرح
یہ ننھے ہاتھوں میں جن کے کبھی کھلونے تھے

اب اُن کے ہاتھوں میں ہیں کاپیاں کتابیں قلم
اسی طرح یہ رہیں گے رواں دواں ہر دم

بنیں گے اِن میں سے کچھ ڈاکٹر، پروفیسر
بنیں گے اِن میں کچھ انجینیر تو کچھ فن کار
یہ کچھ اِن میں غالب و اقبال ہونگے کچھ ٹیگور
یہ کچھ اِن میں حافظِ شیراز اور کالیداس
یہ بچے قوم کی تاریخ ہیں، امانت ہیں
یہ بچے ملک کی دولت، وطن کی عظمت ہیں

انھیں یہ کہنا ہے اسلاف کی امانت ہو
انھیں بتانا ہے جو روشنی کا مصرف ہے
انھیں بتانا ہے یہ انجمن سبھوں کی ہے
انھیں بتانا ہے یہ روشنی سبھوں کی ہے

انھیں یہ کہنا ہے مل جل کے سب یہاں پہ رہیں
نہ کوئی پیار کو ترسے نہ کوئی پیاسا رہے

یہ ان سے کہنا ہے مریم کا احترام کریں
یہاں کبھی کسی سیتا کی ہو نہ رسوائی
یہ ان سے کہنا ہے سلمیٰ دلہن کی دولت ہے
یہ ان سے کہنا ہے رادھا بھی گھر کی عزت ہے



پھر نئی رسم حلف سے یہ شروعات ہوئی
شہر میں پھر نئے قاتل سے ملاقات ہوئی

میرے ہاتھوں سے قلم چھین کے اعزاز نہ دو
ایسی بخشش بھی تو اک طرح کی خیرات ہوئی

وفاشناس

(نذرِ محمد قلی قطب شہ)

جلی تھی شمع جو تہذیبِ عاشقی کے لیے
ہم آج آئے ہیں اُس ایک روشنی کے لیے

وہ شہر یار کی چاہت ہو یا غریب کا پیار
عظیم ورثہ ہے شائستہ زندگی کے لیے

گلوں کے شہر میں خوشبو کا کوئی موسم ہو
صبا کا فیض ہے جاری ہر اک کلی کیلئے

بسی ہوئی تھی قطب شہ کے دل میں بھاگ متی
وفاشناس نگاہوں کی روشنی کے لیے

یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ عطر بیز فضا
یہ کس کا فیض ہے ذہنوں کی تازگی کیلئے

اُسے بھی بزمِ قزلباشہ میں لا ہے تنیرؔ!
سمٹ سمٹ کے جو بکھرا ہے دوستی کیلئے



اس طرح دوستی کا اثر چھوڑ جاؤں گا
چہرے پہ تیرے عکسِ نظر چھوڑ جاؤں گا

تجھ سے بچھڑ کے پھر کبھی رونا اگر پڑا
دامن پہ تیرے دیدۂ تر چھوڑ جاؤں گا

ماتھے کا زخم تجھ کو دلائے گا میری یاد
آئینہ تیرے گھر میں اگر چھوڑ جاؤں گا

مقبرے کے دامن میں

(نذرِ محمد قلی قطب شہ)

لبوں پہ جب بھی قطب شہ کا نام آتا ہے
خیالِ بھاگ متی، بزمِ دل سجاتا ہے



کھلا تھا پھول جو اس مقبرے کے دامن میں
وہ ہر برس تری خوشبو کو ساتھ لاتا ہے
اک ایسی تازہ ہے خوشبو یہاں کی محفل میں
اُداس چہرہ بھی تادیر مسکراتا ہے
وہ ایک لمحہ اثاثہ ہے جو محبت کا
وہ ایک لمحہ بھی برسوں کے بعد آتا ہے

نگاہِ عشق میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا
سلوکِ عشق، دلوں کو قریب لاتا ہے



وفا شناس، محبت پسند، دورِ حیات
خلوصِ باہمی ورثے میں چھوڑ جاتا ہے



جذب جب ہو گئی دروازے پہ دستک میری
تب کہیں جا کے ترے در سے پلٹ آیا ہوں

میں تری بزمِ تبسم سے بڑی مشکل سے
آبروِ دیدۂ پُرنم بھی بچا لایا ہوں

چشمِ انتظار

(بھاگ متی)

شہرِ وفا میں کل تھے یہاں کون گُل فشاں
بکھری ہوی ہے شہر میں پھولوں کی داستاں
خوشبوئے تازہ، پیار کے لمحوں پہ مہرباں
شاہانہ عظمتوں کا تھا ہر لمحہ پُر وقار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گُل بنا ہے محبت کی یادگار

شہزادہ تخت و تاج کی عظمت سے بے نیاز
تھا حُسن کو بھی عشق کی دیوانگی پہ ناز
تہذیبِ عاشقی کا تھا ہر لمحہ، دل نواز
نرمی شگفتہ ہونٹوں کی شامل تھی پیاس میں
خوشبو قلی کی بھاگ متی کے لباس میں

چڑھتی ہوئی ندی کو تھا عاشق پہ اعتبار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

اِس سجدہ گاہِ عشق کا ہر ذرہ ہے گواہ
یکساں رہی ہے سب پہ قطب شاہ کی نگاہ
باآبرو تھے مندر و مسجد کہ خانقاہ
تھے ہندو مسلم اپنی شرافت کی خود مثال
خوشبو کا نام لے کے گزرتے تھے ماہ و سال
ہر ایک رت میں رہتا تھا ماحول خوشگوار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

لیکن ہوا کچھ ایسا کہ سب کچھ بکھر گیا
یہ کیسا زہر فکر و نظر میں اُتر گیا
اتنا لہو بہا ہے کہ قاتل بھی ڈر گیا

رادھا طلوعِ مہر سے پہلے پگھل گئی
سلمیٰ سہاگ رات کے دامن میں جل گئی

آؤ کہ پھر سے گیت محبت کے گائیں گے
سب کچھ بھلا کے پیار کی شمعیں جلائیں گے
کھاؤ قسم کہ اب نہ بہے گا یہاں لہو
لٹنے نہ پائے شہرِ محبت کی آبرو
مجروح ہو نہ جائے کہیں پیار کا وقار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار



میرے اسلاف کی خوشبو ہے مری سانسوں میں
میں بھی اس سلسلۂ نور کا آئینہ ہوں

مسلسل روشنی

(سرسید احمد خاں)

مرجھا رہے تھے پھول حوادث کی دھوپ میں
محسوس ہو چلی تھی کمی رنگ، روپ میں
چہرہ اُتر رہا تھا، نسیم بہار کا
تہذیب کے چمن میں تھا دور انتشار کا
سہمی ہوئی تھی صحنِ چمن میں کلی کلی
مایوس تھی حیات سے پھولوں کی تازگی
پھولوں کے رُخ پہ رنگ نہ دامانِ گُل میں بُو
لُٹنے لگی تھی ایسے میں گلشن کی آبرو
شبنم کی آنکھ وقت سے پہلے جو نم ہوئی
پھولوں میں زندگی کی ادا خود ہی کم ہوئی

خالی ہوئے بنامِ وفا ساغر و سبو
تہذیب کی نگاہ سے گرنے لگا لہو



جو مصلحانِ قوم، حقیقت پسند تھے
دل اُن کے جل رہے تھے مگر ہونٹ بند تھے
حبِّ وطن کی فکر میں جو غم نصیب تھے
حصّے میں اُن کے پہلے سے طوق و صلیب تھے
دیوانہ وار ایسے میں اک مردِ باوفا
تہذیبِ زندگی کا کفن چوم کر اٹھا
الزام ساری قوم کا خود اپنے سر لیا
پھولوں کے بدلے خار سے دامن کو بھر لیا



صبحِ آزادی اُجالوں کی ضمانت تھی مگر
اِس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

اُردو کے اوّلین معمار

تنظیمِ گلستاں کا کسے اِتنا ہوش تھا
ہر غنچہ اِس چمن کا تبسّم فروش تھا
آندھی چلی تو بزم کے فانوس بھی بجھے
کتنے شگوفے صحنِ گلستاں میں گر گئے



ہر ایک رہ گزر پہ تھا اندیشۂ زیاں
ہر سمت بے یقینی کا سیلاب تھا رواں
تہذیب مٹ رہی تھی ہر اک لمحہ تھا گراں
بجھنے لگے تھے عظمتِ ماضی کے سب نشاں
سونے سے پہلے وقت کے ہاتھوں میں جام تھا
آنکھیں کھلیں تو سر پہ فرنگی نظام تھا



پرچمِ وفا پرستوں کے ہاتھوں سے جب گرے
سہمی ہوئی حیات کے ماتھے پہ بل پڑے
پروانے شمع بجھنے سے پہلے ہی گُل ہوئے
پھولوں کی طرح صحنِ چمن میں بکھر گئے
ایسی فضا میں قوم کے کچھ لوگ آ گئے
سہمے ہوئے جو تھے اُنھیں منزل دکھا گئے
خونِ جگر سے راہ کی شمعیں جلا گئے
پروانے اپنی آگ میں جلنا سکھا گئے
لُٹنے کو جب تھی ساحلِ جمنا کی آبرو
آنکھوں سے خود ہی تاج کے بہنے لگا لہو



تہذیبِ نو کی فکر میں سیّد نکل پڑے
ملّت کا غم سمجھنے کو حالیؔ بھی چل پڑے

مرکز پہ جمع ہو گئے غم خوار قوم کے
آزاد و شبلی ایک ہی صف میں شریک تھے
زندوں کی طرح قوم کو جینا سکھا دیا
زہراب کو سلیقے سے پینا سکھا دیا



حالی کا ذہن، عظمتِ ماضی کا ترجماں
شبلی، نگاہِ وقت کا اک شعلۂ نہاں
آزاد، فکر و فن کے لیے نقشِ جاوداں
سید، نگاہِ وقت کی تصویرِ جاں فشاں
اکبر حیات و موت کے مابین اک کڑی
پھولوں کی سرزمیں پہ موسم کی تازگی



یارب دیارِ غیر میں آوارہ گر پھروں
مٹی مرے وطن کی مرے ہاتھ میں رہے

قائدِ ملّت

(نواب بہادر یار جنگ بہادرؒ)

سوچ میں ہوں نظم کا آغاز ہو کس نام سے
چلتے چلتے رک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیر الاُمم



روشنی، سچائی، خوشبو، زندگی کا بانکپن
آگہی، روشن ضمیری، قوم کی تصویر تھی
آبروئے قوم، دل کی روشنی، روشن دماغ
مردِ مومن، بندۂ حر، شمعِ دل، شاہیں صفت

جذبۂ حب وطن، نظم چمن، قومی وقار
پھول، شبنم، نکہت گُل، موسمِ گُل کا نکھار

سوچ میں ہوں نظم کا آغاز ہو کس نام سے
چلتے چلتے رک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیر الامم



سوچ میں ہوں نظم کا آغاز ہو کس نام سے
نام کچھ بھی ہو مگر ہو روشنی کا سلسلہ
ایک ایسا سلسلہ جس کا نہ ہو پھر اختتام
ذہن و دل میں روشنی ہی روشنی پھیلی رہے
دامنِ انسانیت پر چاندنی ہی چاندنی



کام میں یکجہتی شرافت، قوم و ملت کا وقار

پیار، الفت، راستی، سچائی خوشبو کا چلن
زندگی در زندگی روشن ضمیری کی طرح
پھیلتے جائیں وہ قوموں کے نئے کردار میں
ایسے یوسف اب کہاں ہیں مصر کے بازار میں
چلتے چلتے رک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
قائد ملت کہوں یا عاشقِ خیر الامم



ایسے اب ملتے کہاں ہیں قوم میں روشن ضمیر
جن کی آنکھوں میں چمک اسلاف کی تاریخ کی
گفتگو میں جن کی اگلی قوم کی شائستگی
جن کی باتوں میں ہو شامل زندہ قوموں کا جلال
جن کے ہلکے سے تبسم میں ہو پھولوں کا جمال
جن کی سانسوں میں ہو خوشبو پیار کی اخلاص کی
مسکراتا پھول سا چہرہ بہاروں کی طرح
کون ملتا ہے یہاں اب خاکساروں کی طرح

چلتے چلتے رک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیر الامم

●

قائدِ ملت سے اک مجھ کو بھی ربطِ خاص ہے
میرے ذہن و فکر پر ہے آج بھی گہرا اثر
اُن کی تعلیمات کا، خطبات کا، افکار کا
ایک نسبت، نقشِ پا کو وارثِ منزل سے ہے
مجھ کو بھی اس مردِ مومن سے عقیدت دل سے ہے
آیئے ہم عہد کر لیں نام لے کر پیار کا
ٹوٹنے پائے نہ ہم سے روشنی کا سلسلہ

●

شرافت کا پھول

ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند

گلاب، ایک تر و تازہ زندگی کا گلاب
مہک رہا تھا جو دِلّی کے سبزہ زاروں میں
مہک رہا تھا جو کل لکھنؤ کی گلیوں میں
دکن کی سانولی شاموں میں جس کی خوشبو تھی
مہک رہا تھا جو کشمیر کی فضاؤں میں
اودھ کی شام، بنارس کی صبح ساتھ لیے
کہاں کہاں نہ گیا عظمتِ وطن کے لیے
مگر اک ایسی ہوا آئی آج گلشن میں
چمن کی گود میں وہ پھول گر گیا یارو!

●

●

گلاب، ایک تر و تازہ زندگی کا گلاب
مہک تھی جس کی دلوں کے دبیز پردوں میں
مہک تھی جس کی، نگاہوں کے آبشاروں میں
چھپی ہوی تھی مہک جس کی طرح داروں میں
مہک رہا تھا جو کٹیا میں اور محلوں میں
مہک کسانوں میں مزدور کے پسینوں میں
مہک تھی جس کی مشینوں میں کارخانوں میں
نہ کچھ کہا نہ سنا سب کو یوں ہی چھوڑ گیا
تمام عمر کے رشتوں کو آج توڑ گیا

●

تھکی تھکی سی ہے کیوں آج موج گنگ و جمن
نہ جانے تاج کی پلکوں میں یہ نمی کیوں ہے
ایلورا، تاج، اجنتا جو بولتے تھے کبھی
وہ آج سر بہ گریباں ہیں زندگی کے لیے
نگاہ دارِ ادب، علم و فن کا شیدائی
روایتوں کا امیں، عصرِ نو کا دلدادہ

کرم کا باب، شرافت کی بولتی تصویر
دیارِ فکر و نظر کا وہ قیمتی ورثہ
تمام عمر سلگتا رہا وطن کے لیے
بجھو دیا ہے چراغوں کو انجمن کے لیے



بہار آتی رہے گی چمن چمن کے لیے
بہت سی کلیاں، گلوں کا لباس پہنیں گی
مگر وہ پھول جو کل آبروئے گلشن تھا
وہ پھول جس کی تھی خوشبو صبا کے دامن میں
وہ پھول جس کی مہک علم و فن کے شہر میں تھی
وہ پھول جس کے تبسم سے کانپتی تھی خزاں
خزاں کی لہر سے مرجھا گیا ہے گلشن میں
گلابِ تازہ کی ہر وقت یاد آئے گی
چمن میں خوشبو شرافت کی پھیل جائے گی



جواہر لعل نہرو

(بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے)

قلم اُٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
ہمیشہ گرمیٔ حالات سے پگھلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
چراغ بن کے اندھیروں میں روز جلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
کوئی بھی رُت ہو بہر حال مسکراتی تھی
بلا تعینِ اوقات جگمگاتی تھی

ہزاروں زخم تھے اہلِ وطن کے سینے پر
حیات جس کی گلستانِ آرزو کی طرح
خلوص، پیار کے مرہم کو اپنے ساتھ لیے

ہر اک نظر میں اُبھرتی تھی روشنی بن کر
ہر ایک لب پہ تھی پھولوں کی تازگی بن کر

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
کروڑوں زخمی دلوں کے لیے مداوا تھی
کروڑوں بجھتے دلوں کے لیے اُجالا تھی
حیات جس کی ہمیشہ رہی ہے فیض رساں
حیات جس کی رہی ہے شعورِ راہبراں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
وہ جانتا تھا کہ اشکوں کی آبرو کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ کتنی لہو کی قیمت ہے
وہ جانتا تھا کہ غربت کی زندگی کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ دامن کو اپنے پھیلائے
ہزاروں لوگ اک اک بوند کو ترستے ہیں

کرم کی آس میں ہر گام پر ٹھہرتے ہیں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
یہ کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
اس ایک شخص کا جس کی نظر کی گرمی سے
ستم شعاروں کے اوراقِ دل سلگتے تھے
اس ایک آگ سے کتنے ہی دل پگھلتے تھے

یہ کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
دل و نظر ہی نہیں، جذبۂ عقیدت بھی
شعور و فکر کی عظمت پہ خود ہی ناز کرے
کبھی نہ سازشی لمحوں سے ساز باز کرے

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
یہ کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے گفتگو کر لوں
بلند مرتبہ نہرو کی زندگانی سے
کہ آج زہر میں ڈوبی ہوئی فضاؤں میں

سمٹ نہ جائیں کہیں صاحبانِ فہم و ذکا
دل و نگاہ پہ چھائے نہ تیرگی کی فضا
اندھیرے شب کی نگاہوں کا زہر پی پی کر
اُجالے مانگنے والوں سے ہمکنار نہ ہوں
خزاں پسند کبھی شاملِ بہار نہ ہوں



بدن ہمارے شہیدوں کا ڈھانپنے کے لیے
وطن کی خاک سے بڑھ کر کوئی لباس نہیں

تم اپنا ہاتھ ذرا سوچ کر بڑھا دینا
بہت سے ہاتھ کٹے ہیں دراز دستی میں

پسِ دیوارِ شب

(نذرِ اندرا گاندھی)

یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تسلسل ہے اُن اندھیروں کا
کہ جن کے زہر سے لپٹی ہوئی رداؤں میں
بہت سے چہرے تو اپنے ہی جیسے ملتے ہیں
یہ اور بات کہ شکلیں جدا جدا سی ہیں



کبھی وہ شکلیں
اُبھرتی ہیں دوستوں کی طرح

"کبھی وہ شکلیں ابھرتی ہیں
دشمنوں کی طرح



یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تو اُس ایک روشنی کا ہے
وہ جس کے نام سے بڑھتا رہا وطن کا وقار
وہ جس کے فیض سے چلتی رہی نسیم بہار



کون قاتل ہے یہاں اپنے رفیقوں کے سوا
سب بھلے لوگ ہیں کس کس کو سزا دی جائے

اندرا گاندھی

(محافظوں کی زد میں)

صدائیں کتنی ہی نزدیک و دور سے آئیں
مگر کسی کی بھی آواز دل کو چھو نہ سکی
سنائی دیتی رہی ہم کو اک وہی آواز
گلاب تازہ کی نازک سی پنکھڑی کی طرح
جو بھیگی خوشبو کو پیراہن بدن میں لیے
اچھوتے لہجے میں تا دیر مسکراتی تھی
جب اُس کے ہر اک سمت پھیل جاتی تھی

●

نظر بلند، صداقت پسند و رہبر

شگفتہ ذہن، شرافت نگاہ، دیدہ ور
کرم نواز، تر و تازہ زندگی کی طرح
ہر ایک رُت میں رہا ہے یہاں پہ فیض رساں
ہر ایک رُت میں اُٹھاتا رہا ہے بارِ گراں



زمانہ دیتا ہے قربانیوں کی جس کی مثال
تو اُس عظیم گھرانے کی ایسی خوشبو تھی
کہ تیرا نام ہمیشہ جبینِ بھارت پر
حسین چاند کی جھومر کی طرح چمکے گا



ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
بہت سے بکھرے ہوئے آئینوں کو چُن چُن کر
سنبھالے رکھا تھا برسوں سے اپنے دامن میں

اِک ایسی صبحِ منوّر کے واسطے جس میں
ہر ایک چہرہ دکھائی دے روشنی کی طرح
حسین، صاف، تر و تازہ زندگی کی طرح



مگر یہ کیا کہ اندھیروں کا جال پھیلائے
سحر پرستوں کے گھر ایسی صبح بھی آئی
کہ جس کے چہرے پہ تھے ان گنت لہو کے نشاں
کہ جیسے ہونے ہی والا ہے حادثہ کوئی



ہزار صبحوں سے رشتہ ہے یوں تو اپنا مگر
اُس ایک صبح کے دامن پہ لکھ رہے ہیں ہم
لہو سے دل کے اِس اپنے وطن کا افسانہ
کہ جس کی پہلی کرن خون میں نہائے ہوئے

فضا نے ہند میں ماتم کناں سحر کی طرح
کھڑی ہوئی ہے ندامت سے سر جھکائے ہوئے



یہ سانحہ نئے ہندوستاں کے ماتھے پر
ہمیشہ حرفِ ملامت کی طرح اُبھرے گا
یہ حادثہ نئے ہندوستاں کی آنکھوں سے
ہر ایک لمحے کی تاریخ بن کے ٹپکے گا



انا پسند، قلندر مزاج، ہم شاعر
کہ جن کو ناز رہا اپنی کج کُلاہی پر
کہ جن کا سر کسی قائد کے سامنے نہ جھکا
تری جناب میں اب اپنا سر جھکاتے ہیں



•

یہ اس لیے کہ ترے جسم سے مہکتی ہے
وفا، خلوص، محبت کی پیار کی خوشبو

•

یہ اس لیے کہ ہے تیری خمیر میں شامل
مہکتے جھومتے ہندوستان کی خوشبو
یہ اس لیے کہ ہمیں آب زر سے لکھنی ہے
"نئی سحر، نئے ہندوستان کی تاریخ"

•

تھک کے پھر بیٹھ گئی آج زلیخائے وطن
میرے مالک تو اُسے پھر سے جوانی دیدے

ٹی۔ انجیا

(سابق چیف منسٹر، آندھرا پردیش)

اندازِ گفتگو میں شرافت دکن کی تھی

سورج کی روشنی کا تسلسل بنا رہا
ہر دور میں رہا ہے اُجالوں کا پاسباں
وہ شخص جو فقیر بھی تھا شہریار بھی
جو بوریا نشین بھی، مسند نشیں بھی تھا
خوش حال زندگی کا طرفدار ہی نہیں
محنت کشوں کا دوست، مروّت شناس بھی



وہ شخص اپنی قدر و فضیلت کے باوجود
بھولا کبھی نہ اپنی غریبی کے روز و شب
تشنہ لبوں کی پیاس تھی جس کی نگاہ میں
وہ شخص بزمِ یاراں سے جانے کہاں گیا



موسم کئی سیاسی بدلتے رہیں تو کیا
وہ اپنی وضع داری پہ قائم یوں ہی رہا
ہر ایک سے اُس کا رشتہ بہت باوقار تھا
سب کی نظر میں اُس کا بڑا اعتبار تھا





سادہ مزاج، نرم طبیعت، شگفتہ ذہن
دل تھا گداز جس کا، شرافت نگاہ تھی
تھا فطرتاً شگفتہ روایات کا امیں
اُردو سے ایک رشتۂ دیرینہ جس کا تھا
تہذیبِ زندگی کا جھلکتا ہوا شعور
چہرے پہ جس کے نقشِ تبسم کی سرخیاں
ہر اک ادا میں اُس کی محبت وطن کی تھی
اندازِ گفتگو میں شرافت دکن کی تھی



کب مرا ٹوٹا ہوا گھر پھر مکاں ہو جائے گا
کب زمیں پہ رہنے والا آسماں ہو جائے گا

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

(ایوانِ اُردو)

علم و فن کے یہ در و دیوار مہکائے گا کون
بے لباسی ہو تو پھولوں کی قبا لائے گا کون

جس کے دم سے کتنے ہی دانش کدے روشن ہوئے
ایسے دیوانے کو پھر سے بزم میں لائے گا کون

اہلِ فن ایوانِ اُردو میں تو آئے ہیں مگر
اب انھیں مسند نشینی کے لیے لائے گا کون

کیسے کیسے لوگ تہہ خانوں کی زینت بن گئے
تازہ تازہ روشنی میں ان کو اب لائے گا کون

اہلِ اُردو کتنے ہی خانوں میں بٹ کر رہ گئے
گیسوئے تہذیبِ ریختہ! تجھ کو سلجھائے گا کون

آئینہ خانے میں نیّر! چند چہرے رہ گئے
کل تمہاری شاعری سننے یہاں آئے گا کون



قلندرانہ طبیعت تھی وضع دار بھی تھا

فقیر اپنے علاقے کا شہریار بھی تھا

ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور

(میرے بعد)

بڑے جتن سے چلی تھی چمن میں موجِ نسیم
بہت سے پھول کھلے تھے روش روش پہ مگر
وہ پھول جس کو گلستاں کی آبرو کہیے
بہ قیدِ موسمِ گُل جو مہک رہا تھا کبھی
چمن سے دُور بہت دُور وہ غریبِ وطن
خزاں کی گرم نگاہی سے جھلس گیا یارو!



وہ ایک شخص کہ کہیے جسے شمیم نفس
پلک جھپکتے ہی کشمیر کی فضاؤں میں
شمیمِ زلف کی مانند ہو گیا تحلیل

●

کچھ ایسے پھول بھی کھلتے ہیں صحنِ گلشن میں
بہ قیدِ فصلِ بہاراں سے مہکتے رہتے ہیں
وہ پھول جن کے مقدر میں مسکرانا ہے
کوئی بھی رُت ہو بہر حال مسکراتے ہیں

●

دیارِ مہر و وفا، شہرِ آرزو سے کبھی
مرے مزار پہ کچھ لوگ جب بھی آتے ہیں
میں اُن کے چہروں کو پڑھتا ہوں پوچھتا ہوں کہیں
وہاں کے لوگوں میں کیا آج بھی بنامِ وفا
خلوص، پیار، رواداری، وضعداری ہے
دکن کی جاگتی گلیوں میں شاہراہوں پہ
دیوانے اب بھی اُسی بانکپن سے چلتے ہیں
بتاؤ اب بھی وہاں زیست مسکراتی ہے
دکن کی سانولی شاموں میں اب بھی خوشبو ہے
وفا کے شہر میں کیا کیا ہوا ہے میرے بعد
وہ دیکھ سکتے ہیں نظریں ملا نہیں سکتے

کھڑے ہوئے ہیں وہ اب بے وفا کی طرح
وہ میرا شہر وہ اردو کا شہر ہے جیسے
وہاں ہیں کتنے جو اردو کا نام سے بچتے ہیں



میں جانتا ہوں کہ حالات سازگار نہیں
حیات و موت میں اک کشمکش مسلسل ہے
مگر جو حوصلے اسلاف کی امانت ہیں
وہ زندگی کی حرارت کے ساتھ ساتھ تو ہیں
حیات ہے تو اندھیرا اجالا کیا معنی
جلانے والے جلاتے ہیں آندھیوں میں چراغ
اجل تو دوستو! اک لمحۂ گریزاں ہے
کسے عزیز نہیں ہوتا زندگی کا چلن
سمجھ سکو تو میں اک جاودانی لمحہ ہوں
جو سن سکو تو ہوں صدیوں کی میں بھی اک آواز



ایوانِ اُردو

(ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ)

یہ درس گاہِ ادب ہے یہاں پہ ہم جیسے
نہ جانے کتنے ہی آشفتہ حال آئیں گے
شعور و فکر کی شمعوں کی روشنی کے لیے
دل و نگاہ میں اِک تازہ زندگی کے لیے
ہزار رنگ سہی پھر بھی آنے والوں کا
یہاں کی بزم میں انداز ایک ہی ہو گا



اِس آستانے پہ برسوں سے میں بھی آتا ہوں

کبھی کبھی یہاں اشکوں کے پھول لاتا ہوں
اِس آستانے سے مجھ کو بھی خاص نسبت ہے
کئی برس یہاں میں نے بھی سر جھکایا ہے



یہاں جدھر سے گزرتا ہوں ایک ہی آواز
سنائی دیتی ہے خاموش دھڑکنوں کی طرح
میں ایک پل کے لیے جب بھی رُک سا جاتا ہوں
گمان ہوتا ہے نظروں کے سامنے ہے کوئی
جو اپنی خاص اداؤں سے مسکراتے ہوئے
اُسی نگاہِ محبت سے ہم تکلم ہے
وہی ہے پیار، مروّت شناس نظروں میں
وہی روایتی نرمی، شفیق لہجے میں
وہی اچھوتی چمک باوقار چہرے پر
وہی تبسم تازہ، شگفتہ ہونٹوں پر
خموش لب پہ مگر شان ہے تبسم کی

خموشیوں میں بھی شائستگی تکلم کی



کبھی کبھی مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
بساطِ دل پہ ہے آہٹ کسی کے قدموں کی
جو کہہ رہی ہے کہ تاریخ اپنی پہچانو
زبان اپنی، مقدس یہ اک امانت ہے
یہ وضع داریٔ تہذیب اب نہ ہو کم کم
چراغِ علم کی یہ لو نہ ہو کبھی مدھم



کبھی کبھی مجھے محسوس یوں بھی ہوتا ہے
یہاں پہ مشورۃً ہم سے کہہ رہا ہو کوئی
ادارہ سب کا ہے سب کا لہو جلا ہے یہاں
یہ ساری روشنی اُن پاسبانِ علم کی ہے

جنھوں نے خونِ جگر سے لکھی ہیں تحریریں
یہاں پہ ایسی بہت سی ملیں گی تصویریں



ہمارا کیا ہے کہ ہم کب کے راہ چھوڑ چکے
تمہارے اپنے مسائل ہیں تم سمجھ لینا
مگر ہم اِتنا کہیں گے کہ کورے کاغذ پر
تم اپنے ساتھ ہمارا بھی نام لکھ دینا



بساطِ گُل ہو یا دامنِ صحرا
جُنوں کا قافلہ چلتا رہے گا

دیارِ دِل میں آپ آئیں نہ آئیں
چراغِ آرزو جلتا رہے گا

مخدوم محی الدین

★ ایک شاعر کا نذرانۂ عقیدت

یہ کیسا دور ہے کیوں روشنی کا ماتم ہے
تری حیات تو خود موت پر بھی بار نہ تھی
اجل پسند ہوئی کون سی ادا تیری
یہ کون شہرِ نگاراں سے اٹھ گیا یارو!



جو ہونٹ کل تھے گلِ ترکی طرح مہکے ہوئے
وہ آج زرد سی پھولوں کی پتیوں کی طرح

ہوائے گرم سے مرجھا گئے ہیں کیوں یارو!
جو آنکھیں، کل تھیں فروزاں ہماری محفل میں
دھواں دھواں سی ہیں بجھتے ہوئے دلوں کی طرح
جو موت برسرِ پیکار کل تھی جس کے لیے
وہ آج سر بہ گریباں ہے زندگی کے لیے



اگرچہ شہر کی مانوس شاہراہوں پر
سکوتِ مرگ ہے اُجڑے ہوئے گھروں کی طرح
اگرچہ شہرِ نگاراں کے کوچے کوچے میں
اُداسی، شامِ غریباں کی طرح چھائی ہے
مگر اصولِ صداقت کی موت کیا معنی؟
کبھی بھی دوستو! سچائی مر نہیں سکتی
وہ شخص مر نہیں سکتا جو زندگی کے لیے
تمام عمر اجل سے نظر ملائے رہا
وہ شخص مر نہیں سکتا جو روشنی کے لیے

تمام عمر الجھتا رہا اندھیروں سے
صداقت اُس کے قدم چومتی رہی برسوں
کسی بھی دور میں جو ظلمت شناس نہ تھا



رُتیں بدلتی رہیں، وقت بھی بدلتا رہا
نہ آیا فرق تری شانِ کج کلاہی میں
ابھی تو پاس ہے تنہائی کا نہیں احساس
بساطِ قلب میں آہٹ ہے تیرے قدموں کی
نظر نظر میں اُجالا ہے تیری آنکھوں کا
دلوں کے ساز کے پردوں میں ہے تری آواز
کرن کرن میں تبسم بکھر گیا ہے ترا
ہر انجمن میں تری روشنی کے چرچے ہیں
کسان، مفلس و مزدور کے عزائم میں
شریکِ حال ترے بازوؤں کی قوت ہے
شعورِ جینے کا جس کو عطا کیا تو نے

جگہ جگہ نئے سورج کی روشنی کی طرح
وہ آج وقت کے ماتھے پہ جگمگاتا ہے
بہت سی زخمی نگاہوں کا تو مداوا تھا
دُکھی دلوں کے لیے تو بڑا سہارا تھا



شعورِ فکر و نظر کی جہاں بھی بات چلے
سُنائی دیتی رہے گی وہاں تری آواز
جہاں بھی شعر و ادب کی ہو بزم آرائی
وہاں پہ گونجے گی تیری سدا بہار آواز
تمام عمر چلی ہے تمام عمر چلے
"الٰہی! ختم نہ ہو یارِ غمگسار کی بات"
مخدوم



متاعِ لوح و قلم

(نذرِ فیض احمد فیض)

اُس ایک شخص کی محفل میں آ گیا ہوں میں
کہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لیے
بہت سے اہلِ قلم کاسۂ تہی لے کر
کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب کی طرح

اُس ایک شخص کی محفل میں آ گیا ہوں میں
فضائے ذہنِ رسا جس کی جگمگاتی تھی
ہمیشہ جبر کے قدموں سے خفا رہتی تھی
نئی سحر کے لیے تازہ روشنی دے کے

وہ ایک شخص جو لکھتا رہا جو شام و سحر
کیا نہ جس نے اندھیروں سے کوئی سمجھوتہ

گریز جس کو رہا مصلحت شناسی سے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

نئی رُتوں کے لیے آئینوں سے چھَن چھَن کر
بنامِ صبح، اُجالوں کا پیرہن اوڑھے
کہاں کہاں نہ گیا زندگی کی چاہت میں
معاشرے کی رگوں میں کبھی لہو بن کر
ٹپکتا رہتا تھا، ہر سمت پھیل جاتا تھا
رہی تھی جس کو اُجالوں کی سرزمیں کی تلاش
بکھر گیا جو فضا میں کرن کرن کی طرح
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
متاعِ لوح و قلم جس سے چھن گئی تھی کبھی
کہ خونِ دل میں ڈبو لی تھیں اُنگلیاں جس نے
نئی حیات، شگفتہ سی زندگی کے لیے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
سلام کرنے اک ایسے عظیم شاعر کو
بساطِ شعر و ادب پر ہے جس کے دل کا لہو
نئی غزل کے لیے تازہ فکر و فن کے لیے

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
وہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لیے
بہت سے اہلِ قلم کاسۂ تہی لے کر
کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب سحر کی طرح
اس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں



آبلہ پائی سے گھبرا کر نہ کر ترکِ سفر
پاؤں جب دہلیز پہ ہوں گے تو آنگن آئیگا

نیا لہجہ، نئی آواز

(خورشید احمد جامی)

شگفتہ دل سے کہی جس نے نظم ہو کہ غزل
دیارِ فن میں وہ کہلا رہی ہے تاج محل



غزل کے نام سے جب تیرے ہونٹ ہلتے ہیں
سخن کی گود میں کتنے ہی پھول کھلتے ہیں



ترے شعور کی خوشبو سے جاگ اٹھا گلشن
لہو سے تو نے سجایا نگار خانۂ فن



روایتوں کے دھندلکوں میں کھو گئے تھے دماغ
جلائے تو نے نئے اپنے فکر و فن کے چراغ

•

نگارِ صنفِ غزل اور بھی ہوئی محبوب
زبانِ شعر کو تُو نے دیا نیا اسلوب

•

کلی کلی ترے احساس سے مہکتی ہے
کبھی قلم سے ترے آگ بھی بھڑکتی ہے

•

کبھی تو دار و رسن کے قریب جاتا ہے
کبھی تو سایۂ گیسو میں چین پاتا ہے

•

گلوں کی بزم میں گاہے غزل بنی شبنم
ہوئی ہے زخمی دلوں کے لیے کبھی مرہم

•

رہے گی قوتِ احساس جب تلک زندہ
رہے گا فن ترا ہر دور میں نمائندہ

•

خراجِ عقیدت

(شاذ تمکنت)

لے کے بزمِ شعر میں نورِ سحر آئے گا کون
شاذ جیسا تیشہ زن بارِ دگر آئے گا کون

بعد اُس کے شہرِ دانش میں بتا خاکِ دکن
بے نیازِ زندگی، آشفتہ سر آئے گا کون

خوش نظر، گُل پیرہن، شائستگی گفتار میں
بانکپن ایسا لیے ہم کو نظر آئے گا کون

ہے اجل شرمندہ اِک شاعر کو ہم سے چھین کر
وضع داری سے نبھانی ٹوٹ کر آئے گا کون

جب کبھی اُلجھائیں ہم کو راستوں کے پیچ و خم
تیری خوشبو لے کے دورانِ سفر آئے گا کون

دل کے دروازے پہ دستک دے کے تو لوٹا مگر
زندگی ہے منظرِ پچھلے پہر آئے گا کون

خود فراموشی کو اپنی ڈھونڈ لانے کے لیے
آخرِ شب گنگناتا اپنے گھر آئے گا کون



ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

عابد علی خاں صاحب (مدیر سیاست) کو حکومتِ ہند کا صحافتی ایوارڈ ملنے پر

کس کو نہ ہو گی آپ سے ملنے کی آرزو
آغازِ حرفِ شوق، صحافت کی آبرو!

تزئین و تازگیٔ سیاست کے واسطے
جلتا رہا دماغ، پگھلتا رہا لہو

ہر اک ورق پہ تازہ گلابوں کے باوجود
محسوس آپ کرتے ہیں باقی ہے جستجو

تہذیبِ عہدِ رفتہ کے ہر ایک موڑ پر
شائستگیٔ مزاج کی لائی ہے رنگ و بو

ہر لمحہ پُرکشش رہی چہرے کی تازگی
نظریں ہٹیں نہ اُن کی جو بیٹھے تھے روبرو

محدود کب رہی ہیں تبسم نوازیاں
خوشبو شگفتہ ہونٹوں کی پھیلی ہے چارسو

نیّر! یہ کس کی ذہنی رفاقت کا فیض ہے
شائستہ کن فضاؤں میں ضم ہوگیا ہے تو

اظہر الدین کی تاریخی کامیابی پر
(نامور کرکیٹر)

دکن کی آبرو

اظہر!

نگاہِ شمس و قمر

●

چمن کی تازگی

اظہر

رنگینیٔ فکر و نظر

●

چمک رہا ہے تو ہندوستاں کے ماتھے پر

نئی سحر کے لیے

تازہ روشنی کے لیے

●

یہ کچھ اتنی تیزی سے اُبھرا جبینِ شہرت پر
جمی ہوئی ہے نظر تجھ پہ سارے عالم کی
کہ جیسے تو ہے اُجالوں کی سرزمیں کا سفیر
کہ جیسے فتح و ظفر کی ہو بولتی تصویر

●

فضائیں
عطر میں بھیگی ہوئی دلہن کی طرح
کھڑی ہوئی ہیں تبسم نواز محفل میں
اُتر رہی ہیں سلیقے سے دیدہ و دل میں

●

نہ جانے کونسی گرمی ہے تیرے ہاتھوں میں
مشاہدات کی زنجیریں خود پگھلتی ہیں

●

دکن کی آبرو

اظہر
نگاہِ شمس و قمر

چمن کی آبرو

اظہر

رئیس فکر و نظر

کتنی مشکل سے میں سمٹا ہوں بکھر جانے کے بعد

اس کا اندازہ ہوا ہے مجھ کو گھر جانے کے بعد